وہ یوگوسلاویہ کی ایک فوجی عدالت تھی' جہاں ایک غیر معمولی مقدمے کی سماعت ہو رہی تھی۔ کورٹ مارشل گورین نام کے ایک کیپٹن کا ہو رہا تھا۔ تین جج اس مقدمے کی سماعت کر رہے تھے۔ عدالت کا سربراہ ایک بریگیڈیئر تھا جب کہ دیگر دونوں ارکان کرنل تھے۔

مقدمے کے واحد عینی گواہ لیفٹیننٹ میسولوف نے اپنا بیان مکمل کیا اور نفرت آمیز نگاہوں سے کیپٹن گورین کو تکنے لگا۔

بریگیڈیئر نے اپنے ساتھی کرنلوں کو غور سے دیکھا۔ ان دونوں نے اپنے سروں کو تفہیمی جنبش دی۔ بریگیڈیئر' ملزم کیپٹن گورین کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم نے اپنے ماتحت کا بیان سنا؟" اس نے کیپٹن کو مخاطب کیا۔ "اس نے کہیں جھوٹ تو نہیں بولا؟ اس کے بیان سے یا بیان کے کسی حصے سے تمہیں اختلاف تو نہیں ہے؟"

"نہیں جناب! بس نقطہ نظر کا فرق ہے" کیپٹن گورین نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تو تمہیں اعتراف ہے کہ تم نے اچانک اور بلاوجہ اندھا دھند فائرنگ کر کے اپنے انیس ماتحتوں کو بھون ڈالا؟" ایک کرنل نے پوچھا۔

"میرا فعل اچانک تو تھا جناب۔ مگر بے وجہ نہیں تھا۔"

"اوہ.... تو اپنے ماتحت فوجیوں کو بھون ڈالنے کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے؟" دوسرے کرنل نے بھنویں اچکاتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"جی ہاں جناب' وجہ تھی۔"

"میرا خیال تھا کہ تم کوئی عذر پیش کرو گے" بریگیڈیئر نے کہا۔ "مثلاً یہ کہ تمہاری یادداشت غائب ہو گئی تھی یا دماغ چل گیا تھا تمہارا" بریگیڈیئر کا لہجہ سرد تھا۔

"یا یہ کہ تم غصے میں اندھے ہو گئے تھے" ایک کرنل نے ٹکڑا لگایا۔

کیپٹن گورین نے گہری سانس لی۔ "یہ درست ہے کہ میں غصے سے پاگل ہو گیا

تھا" اس نے کہا۔ "لیکن سچ یہ ہے کہ فائرنگ کرتے وقت میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔"

تینوں ججوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ "یعنی تم جانتے تھے کہ تم کیا کر رہے ہو؟" بریگیڈیئر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"جی ہاں جناب! اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔"

"تو پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے کہا نا جناب کہ اس کی وجہ تھی۔"

"اعتراف جرم تو تم کر چکے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب باقاعدہ بیان بھی دے ڈالو۔ ہم وہ وجہ بہرحال جاننا چاہیں گے جس کے تحت تم نے بغیر کسی وارننگ کے اپنے ماتحت کامریڈز پر بے دردی سے فائرنگ کی۔ مگر سنو.... ایک بات بتاؤ' تمہیں کوئی پچھتاوا ہے اپنے اس فعل پر؟"

"جی نہیں جناب! اس صورت حال میں دوسری بار بھی میں ایسا ہی کروں گا۔"

"دوسرے لفظوں میں تم خود اپنے لئے موت کی سزا تجویز کر رہے ہو؟"

"جی نہیں جناب! مجھے یقین ہے کہ انصاف ہوا تو میں باعزت بری کر دیا جاؤں گا" کیپٹن گورین نے بے حد اعتماد سے کہا۔

تینوں ججوں کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "یہ تو ہم بعد میں دیکھیں گے۔" بریگیڈیئر نے کہا۔ "تم تفصیل سے سب کچھ بتا ڈالو۔ ہمیں محرک جاننے میں دلچسپی ہے۔"

"بہتر جناب!" کیپٹن گورین نے کہا۔ چند لمحے وہ خلاؤں میں گھورتا رہا پھر بولا "وہ 18 مارچ کی شام تھی...."

O

وہ 18 مارچ کی شام تھی!

کیپٹن گورین کو اپنا گھر اور گھر کے لوگ بہت شدت سے یاد آ رہے تھے۔ ان کے دستے کو اس جنگل میں پڑاؤ ڈالے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس کا آبائی گاؤں سوڈینہ اس جنگل سے صرف تیس میل کی مسافت پر تھا۔ گاؤں بلندی پر تھا۔ پہاڑی راستے دشوار

گزار تھے پھر بھی جیپ پر وہ بمشکل ایک گھنٹے کا سفر تھا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ اتنا قریب ہو کر بھی وہ وہاں جا نہیں سکتا تھا۔

اچانک دستے کے انچارج میجر ایلڈرچ نے اسے بلوا لیا۔ وہ میجر کے خیمے میں چلا گیا۔

"تم سوڈینہ کے رہنے والے ہو نا؟" میجر نے پوچھا۔

"یس سر!" کیپٹن نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے گاؤں کے بارے میں بتاؤ۔"

اس کے لئے کیپٹن کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ "سوڈینہ رقبے کے اعتبار سے بڑا گاؤں ہے۔ میرا مطلب ہے' لوگوں کے پاس وہاں زرعی زمین بہت ہے۔ گھر سو سے کچھ زیادہ ہوں گے۔"

"مجھے اپنے گاؤں کے مسلمانوں کے بارے میں بتاؤ۔"

کیپٹن گورین کی آنکھوں میں حارث انکل کا شفیق چہرہ پھر گیا۔ وہ اسے گھر کے لوگوں کی طرح یاد آتے تھے۔ "مسلمانوں کے وہاں مشکل سے بیس گھر ہوں گے" اس کی نگاہیں جیسے گاؤں میں پہنچ گئیں۔ وہ جو بتا رہا تھا' دیکھ بھی رہا تھا۔ "گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک راستہ پیچھے کی ڈھلان کی طرف نکلتا ہے' اس پر دو میل چلیں تو مسلمانوں کی زمینیں اور گھر شروع ہوتے ہیں۔ تمام گھر ساتھ ساتھ ہیں اور گاؤں میں داخل ہو کر سیدھے چلے جائیں تو ہمارے گھر آتے چلے جاتے ہیں۔ آخر میں چرچ ہے ہمارا۔"

"بیس گھر" میجر نے پرخیال لہجے میں دہرایا۔ "تعداد کتنی ہو گی مسلمانوں کی؟"

"ساٹھ ستر سے زیادہ نہیں ہیں" کیپٹن گورین نے جواب دیا پھر پوچھا۔ "لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اطلاع ملی ہے کہ سوڈینہ کے مسلمان آج رات خاموشی سے گاؤں چھوڑ کر بوسنیا روانہ ہو رہے ہیں۔"

کیپٹن گورین حیران رہ گیا "لیکن کیوں؟ ہمارے گاؤں میں کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ مذہبی منافرت بھی نہیں رہی۔"

"اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا" میجر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "جب سے بوسنیا قائم ہوا ہے' ان لوگوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے وہاں جانے سے بوسنیا کی مملکت مضبوط ہو جائے گی۔ یورپ کے قلب میں اسلامی مملکت ان کے خیال میں بہت بڑی کامیابی ہے۔"

"جبکہ ہم بوسنیا کو ختم کر دینا چاہتے ہیں" کیپٹن گورین نے سادگی سے کہا "سربیا اور کروشیا میں بانٹ دینا چاہتے ہیں۔"

میجر نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا لیکن کیپٹن کے چہرے پر کوئی معترضانہ تاثر نہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ "ہاں.... ہم وسیع النظر لوگ ہیں۔ مسلمانوں کو مذہبی آزادی دیتے ہیں پھر کسی آزاد اسلامی مملکت کی کیا ضرورت ہے۔" میجر کہتے کہتے رکا۔

"بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"سوڈینہ کے مسلمان...."

"ہاں۔ ہمیں ان کو روکنا ہے۔" میجر کو یاد آ گیا۔

"کیا ضرورت ہے اس کی۔ جا رہے ہیں تو جانے دیں۔"

"نہیں بھئی۔ ہمیں دنیا پر یہی تو ثابت کرنا ہے کہ بوسنیا کا وجود غیر ضروری ہے۔ یورپ کے مسلمان کسی بھی ریاست میں آزادی کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور رہ رہے ہیں۔ پھر ہم کیوں بنیاد پرستی کے فروغ کا خطرہ مول لیں۔ یورپ کو تاریکی سے بچانا ہے۔ خیر.... میں کیپٹن پولارج کو بیس جوانوں کے ساتھ سوڈینہ بھیج رہا ہوں۔ مسلمانوں کو ہر قیمت پر نقل مکانی سے روکنا ہے۔ اچھا.... اب تم جاؤ۔"

کیپٹن عادتاً تعمیل کے لئے اٹھا مگر جاتے جاتے پلٹا۔ "سر.... آپ مجھے بھیج دیں نا۔ وہ میرا گاؤں ہے - میں ان کو بچپن سے جانتا ہوں اور قائل کر سکتا ہوں۔"

میجر مسکرایا۔ "ہوں.... یوں کہو' گھر والوں سے ملنا چاہتے ہو۔ ٹھیک ہے' تم بھی چلے جاؤ لیکن کمان کیپٹن پولارج ہی کے پاس رہے گی۔"

"تھینک یو سر!" گورین نے کہا اور خیمے سے نکل آیا۔ وہ بہت خوش تھا۔

○

گورین کو گھر گئے اور گھر والوں سے ملے ایک سال سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اس سفر

کے دوران میں وہ بہت خوش تھا۔ وہ گھر جائے گا۔ چند گھنٹے ہی سہی' پاپا اور بیوی بچوں کے ساتھ گزارے گا اور مشن ایسا ہے کہ اس کی حارث انکل سے بھی ضرور ملاقات ہو گی۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہرحال بہتر ہے۔

وہ گاؤں کے قریب پہنچے تو جھٹ پٹے کا سماں تھا۔ پرندے اپنے ٹھکانوں کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ گورین کیپٹن پولارج کے ساتھ سب سے آگے والی جیپ میں بیٹھا تھا۔

"اس چڑھائی کے بعد گاؤں شروع ہو جائے گا۔" گورین نے پولارج کو بتایا۔

"تم چاہو تو پہلے اپنے گھر چلے جاؤ۔" پولارج نے پیش کش کی۔

"نہیں۔ ڈیوٹی فرسٹ۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ چڑھائی سے ذرا پیچھے تھے کہ گورین کو ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا۔ وہ ہنرک تھا جو لپکتے قدموں سے ایک طرف جا رہا تھا۔ "سر..... ایک منٹ کے لئے گاڑی روک سکتے ہیں؟" گورین نے بڑی لجاجت سے پولارج سے کہا۔ "گھر کا حال تو یہیں معلوم ہو جائے گا۔"

"کیوں نہیں' کارپورل گاڑی روکو۔"

جیپ رکی اور پیچھے آنے والا ٹرک بھی رک گیا۔ ہنرک اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ گاڑیاں رکیں تو اس نے چونک کر دیکھا۔ اسے جیپ سے گورین اترتا دکھائی دیا۔ وہ جیپ کی طرف لپکا "ارے گورین..... تمہیں کیسے معلوم ہو گیا؟"

گورین کا دل زور سے دھڑکا۔ "کیا معلوم ہو گیا؟"

ہنرک نے ایک نظر ٹرک میں سوار فوجیوں کو دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اوہ..... تم تو کسی کام پر آئے ہو شاید۔ تو تمہیں کچھ معلوم نہیں؟"

"کیا معلوم نہیں؟ ہوا کیا ہے؟" گورین نے ہنرک کو جھنجوڑ ڈالا۔

ہنرک چند لمحے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا پھر تاسف سے بولا۔ "تمہارے پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔"

گورین کے چہرے کا رنگ یوں اڑا جیسے جسم کا سارا خون اڑ گیا ہو۔ "کیا ہوا؟ پاپا

خیریت سے تو ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن ان کی حالت اچھی نہیں۔"

کیپٹن پولارج یہ سب سن رہا تھا۔ وہ جیپ سے اترا اور گورین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "گورین' تم فوراً گھر جاؤ۔ یہ جیپ لے جاؤ۔ تمہارے پاپا ٹھیک ہوں تو آ جانا ورنہ کوئی بات نہیں" اس نے ڈرائیور کو اشارہ کیا' وہ جیپ سے اتر آیا۔

"تھینک یو سر!" گورین نے پولارج کو سیلوٹ کیا پھر وہ اسے راستہ سمجھاتا رہا "تمہیں وہاں پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔"

فوجی دستہ گاؤں کی مسلمان آبادی کی طرف چل دیا اور گورین نے جیپ گھر کی طرف دوڑا دی۔ وہ لمحوں میں گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

○

گورین کو گھر پہنچے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ پاپا غنودگی کے عالم میں تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں غنودگی لانے والی کوئی دوا دے رکھی تھی۔ گورین بیوی اور بچوں سے ملا ضرور لیکن وہ باپ کی پٹی سے لگ کر بیٹھا رہا۔ وہ انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ پاپا بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ویسے ہرگز نہیں رہے تھے جیسا وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ ان کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے تھے اور ہونٹوں پر نیلاہٹ۔

"آپ اندر چلیں۔ پاپا اٹھ جائیں تو ان سے مل لیجئے گا۔" اس کی بیوی نے کہا۔

"نہیں' اتنی دیر میں' میں ڈاکٹر سے مل آتا ہوں" گورین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے گورین کو بتایا کہ یہ دل کا دوسرا دورہ تھا..... اور کافی شدید تھا۔ گورین کو اندازہ ہو گیا کہ ڈاکٹر اسے امید دلانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن خود پرامید نہیں ہے۔

"ایسی کوئی خطرے کی بات نہیں" ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ "بس ان کا خوش ہونا بہت ضروری ہے۔ انہیں پریشانیوں سے بچانا ضروری ہے۔ اب وہ کوئی صدمہ جھیل ہی نہیں سکتے۔"

"مگر کوئی پریشانی تو ہے بھی نہیں" گورین نے کہا۔

"تم پاس ہوتے تو اچھا ہوتا' وہ بہت تیزی سے سنبھل پاتے۔"

گورین خاموش رہا۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"ویسے بھی آدمی کی عمر ستر سے تجاوز کر جائے تو بڑھاپے کی بیماری لاحق ہو جاتی

ہے.... میری طرح" ڈاکٹر نے شگفتگی سے سنگینی کا علاج کرنے کی کوشش کی۔ "تم اتنے پریشان مت لگو۔ یہ تمہارے پاپا کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مسکراؤ.... پریشانی کی تو کوئی بات بھی نہیں۔"

گورین مسکرا دیا۔ ڈاکٹر اس کام کا بہت ماہر تھا۔

"کچھ دن رکو گے؟"

"شاید نہیں۔ زیادہ سے زیادہ صبح تک۔"

گورین ڈاکٹر کے پاس سے اٹھ کر گھر واپس آیا تو پاپا جاگ چکے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ گورین نے دانستہ ان کی طبیعت کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔ پاپا ہی گاؤں اور گاؤں والوں کے متعلق اس کی معلومات اپ ٹو ڈیٹ کرتے رہے۔ اب ان کے چہرے پر بحالی تھی۔

"حارث انکل کیسے ہیں؟" گورین نے پوچھا۔

"رشک آتا ہی اسے دیکھ کر" پاپا نے گہری سانس لی۔ "مجھ سے تین سال بڑا ہے اور اب بھی اپنے فارم پر سب کچھ خود ہی کرتا ہے۔ ایک میں ہوں کہ بستر پر پڑا ہوں۔" آخری بات کہتے ہوئے پاپا کے لہجے میں اداسی آ گئی۔

گورین کو ڈاکٹر کی بات یاد تھی' اس نے بہت تیزی سے موضوع بدلا۔ پاپا کو پتہ بھی نہیں چلا۔ باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

اطلاعی گھنٹی بجی۔ گورین کے بڑے بیٹے نے دروازہ کھولا اور پکار کر کہا۔ "پاپا.... ہنرک انکل آئے ہیں۔"

گورین ہچکچا رہا تھا مگر پاپا نے کہا۔ "بلا لو اسے۔ اس نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔"

"بیٹے.... انکل کو یہاں لے آؤ" گورین نے بیٹے کو پکارا۔

مگر ایک ثانئے کے بعد ہنرک اندر آیا تو اسے دیکھ کر گورین دھک سے رہ گیا۔ ہنرک کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "کیا ہوا ہنرک؟ خیریت تو ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھیوں نے مسلمانوں پر فائرنگ کر دی ہے۔" ہنرک کی آواز لرز رہی

تھی۔

گورین کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"انہوں نے گاؤں کے سب مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر لیا تھا" ہنرک بولا۔ "اور فائرنگ بہت زیادہ ہوئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں' کوئی بھی نہیں بچا ہو گا۔"

گورین پاپا کو بھول ہی گیا تھا۔ ان کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تو اس نے سر گھما کر انہیں دیکھا.... اور وہاں جو نظر آیا' اسے دیکھ کر اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ پاپا کو سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ ان کا ہاتھ اپنی بائیں چھاتی پر تھا اور چہرے پر اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ "پاپا.... تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"حا....رث....حا....رث...." پاپا بمشکل بولے۔ ان کے لہجے میں سوال تھا۔

گورین گھبرا گیا۔ "ڈاکٹر کو بلانا ہو گا۔ پاپا کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔"

مگر پاپا زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگے۔ پھر انہوں نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ گورین نے ان کے ہونٹوں سے کان ملا دیئے۔ پاپا ٹوٹتی آواز میں کہہ رہے تھے۔ "میری فکر مت کرو۔ حارث کی طرف جاؤ۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہئے' تم جانتے ہو نا...."

"لیکن پاپا' آپ کی طبیعت...."

"میں جو کہتا ہوں' وہ کرو" پاپا کا لہجہ سخت تھا۔ اچانک وہ چلائے۔ "جاؤ گورین' حارث کو بچاؤ۔"

چند لمحے بڑی کشمکش کے تھے۔ پھر گورین نے پاپا کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کریں پاپا۔ میں جاتا ہوں۔ حارث انکل کو کچھ نہیں ہو گا" پاپا پر اس کا اچھا رد عمل دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا۔ وہ ہنرک کی طرف مڑا۔ "چلو ہنرک' میرے ساتھ۔ تم ڈاکٹر کو لے کر آ جانا۔"

وہ دونوں نکل رہے تھے کہ پاپا کی نحیف آواز ابھری۔ "حا....رث...." ان کے لہجے میں التجا تھی۔

"آپ فکر نہ کریں پاپا!" اس نے انہیں دلاسہ دیا۔

وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ ڈاکٹر انہیں آتا دکھائی دیا۔ وہ رک گئے۔ ڈاکٹر تیز قدموں سے چلتا ان کے قریب آ گیا۔ "ہم آپ ہی کی طرف جا رہے تھے۔" گورین نے کہا "مسلمانوں پر فائرنگ کا سن کر پاپا کی طبیعت ایک دم بگڑ گئی ہے۔"

"میں جانتا تھا کہ یہ فادر کے لئے اچھا نہیں ہے۔ خبر سنتے ہی میں یہاں کے لئے چل دیا" ڈاکٹر نے وضاحت کی اور گھر میں چلا گیا۔

"تم پاپا کا خیال رکھنا۔ میں اس.... طرف جا رہا ہوں۔" گورین نے ہنرک سے کہا۔

"لیکن گورین، تمہاری موجودگی ضروری ہے۔"

"نہیں، مجھے یہاں دیکھ کر پاپا کی طبیعت اور بگڑ جائے گی۔ مجھے جانا ہے۔ پھر مجھے حارث انکل کی بھی فکر ہے۔"

"ٹھیک ہے گورین، جاؤ۔"

گورین نے جیپ میں بیٹھ کر سیٹ پر رکھی مشین گن کو تھپتھپایا اور جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

اب اندھیرا ہو چکا تھا لیکن راستے جانے پہچانے تھے۔ گورین پوری رفتار سے گاڑی چلاتا رہا لیکن اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ گاؤں کی حدود کے آغاز سے اس نے گاڑی مسلمانوں کے سیکشن کی طرف جانے والی ڈھلان پر موڑ دی۔ مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا، اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ پہلا گھر آ چکا تھا مگر وہاں ہر طرف غیر فطری سناٹے کا راج تھا۔ کہیں کوئی آواز نہ تھی۔ حالانکہ ابھی اتنی رات بھی نہیں ہوئی تھی۔

اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی بہت خوفناک بات ہو چکی ہے۔

ابھی تک اسے کوئی فوجی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ گاؤں میں سب سے آخری گھر حارث انکل کا تھا.... اور اب وہ اس کے قریب پہنچ رہا تھا۔

مگر حارث انکل کا گھر بھی اندھیرے اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اسی لمحے گاڑی اوپر چڑھی تو اسے سامنے والی پہاڑی پر روشنی نظر آئی۔ لوگ

چل پھر رہے تھے.... اور وہ فوجی تھے۔

اس نے گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔ پہاڑی پر پہنچ کر اس نے گاڑی روکی، مشین گن اٹھائی اور نیچے اترا۔ گاڑی کی آواز سن کر اس کے ساتھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیپٹن پولارج اس کی طرف بڑھا۔ "تم آ گئے کیپٹن، تمہارے پاپا ٹھیک تو ہیں؟" اس نے پوچھا۔

گورین نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اس کے قدم بھی نہیں رکے۔ "یہاں کیا ہوا ہے؟" اسے خود بھی اپنی آواز عجیب سی لگی۔

"ہاں.... یہاں ایک ناخوشگوار واقعہ ہوا ہے" پولارج نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یہ بتاؤ، کیا ہوا ہے؟" گورین کا لہجہ سخت تھا۔

کیپٹن پولارج کا منہ بن گیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ انچارج وہ ہے اور گورین اس سے اس طرح جواب طلب نہیں کر سکتا لیکن اس نے دیکھ لیا تھا کہ گورین اس وقت شاک میں ہے اور یہ سب سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے" میں نے سب لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اڑے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ نقل مکانی خلاف قانون نہیں ہے اور ہم انہیں روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اس پر بحث ہوئی۔ میرے جوان مشتعل ہو گئے اور...." کیپٹن نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ "ان کو ضرور سزا ملے گی۔ کورٹ مارشل ہو گا ان کا۔"

خون گورین کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ دماغ پر جیسے کسی نے سرخ چادر ڈال دی تھی۔ وہ اس طرف بڑھا، جہاں فوجی جوان گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ وہ وہاں پہنچا تو انہوں نے اسے راستہ دیا۔

وہ تازہ کھودا گیا بہت گہرا گڑھا تھا۔ کدال اور بیلچے بھی وہیں رکھے تھے۔ باہر نکلی ہوئی مٹی سے اندازہ ہوتا تھا کہ گڑھا جتنا گہرا لگتا ہے، اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ گڑھے میں دیکھتے ہی اسے چکر آ گئے۔ وہ خون آلود لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔

چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ پھر اس نے بمشکل پوچھا۔ "کیا سب کو ختم کر دیا تم نے؟"

"نہیں سر۔ جوان عورتوں کو نسل خراب کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے" ایک فوجی

Scanned by iqbalmt

نے چہکتے ہوئے کہا۔

"آپ ذرا دیر سے آئے سر۔ ورنہ بوائی میں آپ بھی شریک ہو جاتے۔"

گورین کے وجود میں غصے کا جوالا مکھی دہکنے لگا۔ وہ پھٹ پڑنا چاہتا تھا۔ مگر حارث انکل کا خیال اسے روک رہا تھا۔ "لاشیں ہٹا کر دکھاؤ۔ مجھے کسی کی تلاش ہے۔"

وہ سپاہی لاشیں ادھر ادھر کرنے لگے۔ زیادہ دیر نہیں لگی۔ انکل حارث کا چہرہ دیکھتے ہی وہ دیوانگی جسے اس نے جسم و جاں کی پوری طاقت سے روک رکھا تھا' قابو سے باہر ہو گئی۔ اسے نظر کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس نے مشین گن تانی اور اندھا دھند چاروں طرف فائرنگ شروع کر دی۔

مشین گن خاموش ہو گئی۔ مگر اس کی انگلی ٹریگر دباتی رہی۔ وہ ہوش میں آیا تو ہنرک اسے جھنجوڑ رہا تھا۔ "یہ سب کیا ہے گورین!"

اس نے چونک کر ہنرک کو دیکھا پھر گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پرسکون لہجے میں بولا "دیکھ نہیں رہے' یہ قبرستان ہے۔"

ہنرک رونے لگا۔ اچانک گورین کو سب کچھ یاد آنے لگا.... دھیرے دھیرے.... تھوڑا تھوڑا۔ "...پاپا...؟" اس کا سوال بے حد بلیغ تھا۔

ہنرک نے نفی میں سرہلایا۔ "تمہارے پاپا نہیں رہے گورین۔"

گورین رو بھی نہیں سکا۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی۔ وہ صرف بے ہوش ہو سکتا تھا۔

○

کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ خاصی دیر خاموشی رہی پھر کورٹ مارشل کرنے والے بریگیڈیئر نے پوچھا۔ "تم فرار کیوں نہیں ہو گئے؟"

"فرار تو مجرم ہوتے ہیں سر!" گورین نے کہا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تم مجرم نہیں ہو؟" کرنل بولا۔

"خیال کی بات نہیں سر۔ میں مجرم ہوں ہی نہیں۔"

"لیکن جرم تو ثابت ہو گیا۔ اس کے لئے تمہارا بیان ہی کافی ہے۔" دوسرے کرنل نے کہا۔

"مجرم وہ سب تھے' جنہیں میں نے مارا۔"

"ان کا کورٹ مارشل ہونا چاہئے تھا۔ تمہیں ان کو سزا دینے کا حق نہیں تھا۔" بریگیڈیئر نے کہا۔

"میں کہتا ہوں سر' کہ آپ میری جگہ ہوتے تو آپ بھی وہی کرتے جو میں نے کیا" گورین کے لہجے میں استحکام تھا۔

"ہرگز نہیں' یہ میں کبھی نہ کرتا" بریگیڈیئر نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ آپ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آپ میں نہیں ہیں۔ جو میں نے دیکھا ہے' میں جانتا ہوں' وہ آپ نہیں جانتے۔"

"اور جان بھی نہیں سکتا۔"

گورین نے ایک کتاب اس کی طرف بڑھائی "یہ پڑھنے کے بعد آپ انصاف کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے اس پر۔"

"یہ.... یہ کیا ہے؟"

"یہ بلا جواز' بلا اشتعال قتل کئے جانے والے حارث انکل کی آپ بیتی ہے۔ اسے پڑھ کر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے اتنا غصہ کیوں آیا؟"

"ضروری تو نہیں کہ میں اسے پڑھوں۔"

"یہ ایک دستاویزی شہادت ہے۔ آپ کو اسے پڑھنا چاہئے" گورین نے اصرار کیا "اس سے پتہ چلے گا کہ حارث انکل کتنے بڑے انسان تھے اور انہیں قتل کرنے والے کتنے مکروہ جانور۔"

بریگیڈیئر چند لمحے ہچکچایا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھی کرنلوں سے مشورہ کیا اور پھر بولا۔ "سماعت مکمل ہو چکی ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر ہم اس کتاب کا مطالعہ کریں گے اگرچہ یہ ضروری نہیں تھا لیکن انصاف کے نام پر ہم ملزم کی یہ فرمائش پوری کر رہے ہیں۔ اگلے ہفتے آج ہی کے دن فیصلہ سنایا جائے گا۔"

اور عدالت برخاست ہو گئی۔

○

اپنے گھر کی اسٹڈی میں بریگیڈیئر کارتیلوف نے پڑھنے کی غرض سے وہ کتاب

اٹھائی جو اسے ملزم کیپٹن گورین نے دی تھی۔ عدالت برخاست ہوتے ہی بریگیڈیئر نے اپنے ایک ماتحت کو اس کتاب کی دو اور جلدیں فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ دو جلدیں آئیں تو اس نے مقدمے کی سماعت کرنے والے کرنلوں کو ایک ایک جلد تھما دی۔ طے یہ پایا کہ وہ یہ کتاب پڑھیں گے اور اس کے بعد مقدمے کا فیصلہ لکھیں گے۔ ان دونوں کاموں کے لئے ان کے پاس ایک ہفتہ تھا۔

بریگیڈیئر نے کتاب کا ٹائٹل دیکھا۔ خوب صورت گردپوش ٹائٹل تھا۔ اوپری حصے پر ایک طرف ایک چرچ اور دوسری طرف ایک مسجد کی تصویر پینٹ کی گئی تھی۔ نیچے برف سے ڈھکا ہوا ایک لینڈ اسکیپ تھا۔ اس میں سانتاکلاز تحفوں کا بھرا ہوا تھیلا اٹھائے ایک طرف جا رہا تھا۔ چرچ اور مسجد کے درمیان کتاب کا نام لکھا تھا.... محبت فاتح عالم!

ٹائٹل نے بریگیڈیئر کو بہت متاثر کیا۔ اسے لگا کہ وہ ایک اچھی کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہے۔ ویسے اس کے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسے تو فرض سمجھ کر پڑھنا تھا اس کتاب کو۔ لیکن فرض اچھا بھی لگے تو بہت خوش دلی سے ادا کیا جاتا ہے اور یہ بڑی بات ہے۔

اس کی نظر سرورق کے نچلے حصے پر چھپے مصنف کے نام پر پڑی۔ حارث امروک۔ نام بہت چھوٹے حروف میں چھپا تھا اور پہلے اسے نظر ہی نہیں آیا تھا۔

اس نے کتاب کا ورق کھولا۔ پرنٹنگ ڈاٹا پر نظر ڈالی۔ کتاب بیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کا دوسرا ایڈیشن تھا۔ وہ خودنوشت تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ کتاب کسی بھی قسم کے تعارف سے.... حتیٰ کہ دیباچے سے بھی محروم تھی۔

کرنل نے پہلا صفحہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

○

یہ سب میں اس وقت لکھ رہا ہوں، جب اپنی عمر کے 54ویں سال میں ہوں۔ یہ وہی کہانی ہے، جو شاید مجھے بہت پہلے سنا دینی چاہئے تھی لیکن ایک نامعلوم حس نے میرے قلم کو روکے رکھا۔ سو میں انتظار کرتا رہا۔ برسوں بیت گئے۔ اب اس موسم خزاں میں جبکہ کرسمس کی آمد آمد ہے، میں نے سوچا کہ اب میری عمر ایسی ہے کہ میں سب کچھ بڑی سچائی کے ساتھ لکھ سکتا ہوں اور اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوا کہ جو کچھ لکھ

رہا ہوں، اسے سمجھ بھی نہ سکوں۔ یعنی یہ سب کچھ لکھنے کا یہ مناسب وقت ہے۔

میں اس وقت تیرہ چودہ برس کا تھا، جب میرے والدین نے مجھے خود سے دور کر دیا بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ انہیں مجھ کو خود سے دور کرنا پڑا۔ انہوں نے مجھے سوڈینہ بھیج دیا جہاں میرے نانا رہتے تھے۔ وہاں ان کی آبائی زمینیں تھیں۔ یہ 30ء کی دہائی کی بات ہے، جب امریکا اور پورا یورپ کساد بازاری کے بدترین وقت سے گزر رہا تھا۔ ہمارے گھر کے حالات بہت خراب تھے۔ ڈیڈی مہینوں پہلے ملازمت سے محروم ہو چکے تھے اور اب دوسری ملازمت سے بھی محروم ہو چکے تھے لہٰذا اب تیسری ملازمت کی تلاش میں سڑکوں پر مارے مارے پھرتے تھے۔ گھر میں زیادہ تر فاقے ہوتے تھے۔ ڈیڈی اور مما کو اپنی فکر نہیں ہوتی تھی لیکن مجھے کبھی بھوکا سونا پڑتا تو انہیں بہت رنج ہوتا تھا۔

میں بہت خوش قسمت تھا کہ ننھیالی فارم موجود تھا، جہاں میں جا سکتا تھا۔ سب لوگ یہی کہتے تھے کہ زمین دار لوگ دوسروں کے مقابلے میں خوش قسمت ہیں۔ حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں، وہ بھوک کی آزمائش سے بہرحال بچے رہتے ہیں۔

میرے نانا کا نام منصر تھا اور نانی کا نام ایلیا۔ جس فارم میں مجھے بھیجا گیا، وہ نانا کے دادا علی کا بسایا ہوا تھا، جو فوج میں میجر رہے تھے۔ فوج میں شجاعت کے مظاہرے پر انہیں جھاڑ جھنکاڑ سے ڈھکی ہوئی غیر آباد زمین انعام میں دی گئی تھی۔ انہوں نے اس زمین پر بڑی محنت کی۔ اس کی صفائی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زمین بھی ان پر بے حد مہربان ہو گئی۔ ان کے بعد وہ زمین ان کے بیٹے ابراہیم کو ملی اور ان کے بعد منصر یعنی میرے نانا کو۔ یہ سب بے حد محنتی اور جفاکش لوگ تھے.... زمین سے محبت کرنے والے، بہت اچھے کسان!

ان کی زمین پچاس ایکڑ کے قریب تھی۔ بیس ایکڑ زمین کاشت کی جاتی تھی۔ ایک چھوٹا سا جنگل تھا، جہاں لومڑیوں اور گلہریوں کی بہتات تھی۔ ایک چھوٹی سی مگر نہایت سرسبز چراگاہ تھی، جہاں بھیڑیں چرتی تھیں۔ ایک چھوٹی سی مگر گہری جھیل تھی، جس کا پانی بے حد نیلا دکھائی دیتا تھا۔ ایک خاصا بڑا گودام تھا، جہاں غلہ اور بھوسا رکھا جاتا تھا۔

پھر ایک شیڈ بھیڑوں کے لئے اور ایک گایوں کے لئے تھا اور ایک بڑا اصطبل بھی تھا۔
یہ تھی میرے نانا کی چھوٹی سی دنیا۔

رہنے کے لئے لکڑی کا ایک کاٹیج تھا' جس پر برسوں پہلے سفید رنگ کیا گیا ہو گا۔
اس میں باتھ روم ایک ہی تھا مگر مجھے رہنے کے لئے الگ کمرا میسر آیا۔

میں اوور آل پہنتا اور سات میل پیدل چل کر اسکول جاتا' جو چرچ کے برابر واقع تھا۔ اس اسکول میں ساتویں جماعت میں دو ہی طالب علم تھے.... میں اور ایک اور لڑکا۔ اس کا نام ایلک گورین تھا اور وہ چرچ کے پادری کا بیٹا تھا۔ اسکول کے بعد میں نانا کا ہاتھ بٹاتا۔ تھوڑے ہی عرصے میں' میں نے اچھے خاصے کام سیکھ لئے۔ میں گاڑی جوت لیتا اور کھول لیتا۔ کھیتوں' فصلوں کی بھی سمجھ آنے لگی۔ بس دودھ دوہنا مجھے نہیں آیا۔ کوشش میں نے اس کی بھی کی لیکن بھیڑیں میرے قابو میں نہیں آتی تھیں۔ تیرہ سال کی میری عمر تھی۔ میں دبلا پتلا شہری لڑکا تھا۔ گاؤں کے جانور بھی مجھے خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بہرحال میں..... نانی کے کاموں میں ان کا ہاتھ زیادہ بہتر طور پر بٹا سکتا تھا اور بٹاتا تھا۔ وہ برتن دھوتیں تو میں برتن خشک کر کے رکھتا۔ لکڑیاں کاٹ کر لاتا۔ نانی مجھ سے بہت خوش ہوتی تھیں۔

کچن کے عقب میں لکڑیوں کا شیڈ تھا۔ وہاں اسٹیل کا ایک بڑا سلنڈر رکھا تھا' جو نیچے آتے آتے دو بڑی نلکیوں میں دو سمتوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ سلنڈر کے اوپر کے کھلے ہوئے حصے میں بالٹی بھر دودھ انڈیلا جاتا اور دونوں نلکیوں کے نیچے برتن رکھ دیئے جاتے۔ اب جھکتے ہوئے' دونوں پاؤں مضبوطی سے جما کر ہینڈل کو پوری رفتار سے اور مسلسل گھمایا جاتا تو سلنڈر کے اندر کارروائی شروع ہوتی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سپریٹر کس طرح کام کرتا ہے۔ میں بس یہ جانتا تھا کہ ہینڈل مسلسل گھمایا جائے تو اندر سے غراہٹوں کی آواز آتی ہے۔ مزید گھمائے جائیں تو وہ آواز ایک چیخ معلوم ہونے لگتی ہے۔ ہینڈل کو پوری طاقت اور رفتار سے گھماتے رہیں تو اچانک ایک نلکی سے دودھ اور دوسری سے کریم نکلنے لگتی ہے۔ اس وقت مشین کی آواز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ بہرے ہونے کا خوف طاری ہونے لگتا ہے۔

اس ہینڈل کو تیز رفتاری سے گھماتے ہوئے میں آنکھیں بند کر لیتا اور خوابوں میں

کھو جاتا۔ کبھی میں خود کو ایک ملاح سمجھتا' جس کی کشتی سمندری طوفان میں گھر گئی ہو اور وہ اسے بچانے کے لئے چپو چلائے جا رہا ہو اور کبھی میں ایک بہادر ہیرو بن جاتا جو چٹان کے کنارے کو پکڑ کر ہزاروں فٹ گہری کھائی میں لٹکی ہوئی ہیروئن کو اوپر زندگی کی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہا ہوتا۔

اور ہاں....وہاں انڈے بھی تو تھے۔ نانی نے دو سو مرغیاں پالی ہوئی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ان کی تمام مرغیاں بہت محنتی ہیں.... اچھی' انڈے دینے والی مرغیاں۔ میرے حساب سے نانی انکسار سے کام لیتی تھیں۔ کیونکہ لیگ ہارن نسل کی مرغیاں تو انڈے دینے کی مشین تھیں کیونکہ میں نے انہیں عام مرغیوں کی طرح ٹہلنے' ادھر ادھر چونچیں مارنے اور کڑکڑانے کی غرض سے ڈربے سے نکلتے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ وقت ضائع کرنے کی قائل ہی نہیں تھیں۔ وہ صرف اس وقت باہر نکلتی تھیں' جب انہیں انڈا دینا ہوتا تھا۔ شاید باقی وقت وہ بڑی تندہی سے انڈے تخلیق کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔

بہرحال.... یہ میرا ایک کام تھا' جو میں باقاعدگی سے کرتا تھا۔ میں انڈوں کے باغ میں ٹہلتا' کھوجتا پھرتا' مرغیوں کے پھل جمع کرتا' انہیں دھوتا' خشک اور صاف کرتا اور کریٹ میں محفوظ کرتا۔ مگر اس کام کے بعد ناشتے کی میز پر کسی انڈے کا سامنا کرنا میرے لئے آسان نہیں ہوتا تھا' خواہ پلیٹ پر رکھا ہوا انڈا ابلا ہوا ہو' ہاف فرائی ہو یا آملیٹ کی شکل میں ناقابل شناخت ہو۔ مجھے اس سے گھن آتی تھی۔

نانی ہر ہفتے انڈوں کے دو کریٹ قریبی قصبے کے ایک کریانہ فروش کو بھجواتی تھیں۔ ان کے بدلے جو ملتا تھا' اس کے وہ دو حصے کرتی تھیں۔ ایک حصہ گھر کے خرچ کے لئے اور دوسرا وہ گاڑی خریدنے کے لئے پس انداز کرتی تھیں۔

نانی کو اس بات پر بہت شرمندگی ہوتی تھی کہ پورے گاؤں میں ایک وہی ہیں جن کے پاس آٹو موبائل نہیں ہے ورنہ سب کے پاس ٹرانسپورٹ' کے نام پر کچھ نہ کچھ موجود تھا۔ نانی کے ساتھ برتن دھلواتے وقت مجھے بہت معلومات حاصل ہوتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے مجھے بتایا کہ تین سال پہلے ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو گئی تھی کہ گاڑی خریدی جا سکتی تھی۔ بدقسمتی سے ایک چکنی چپڑی باتیں بنانے والا

سیلزمین آٹپکا اور اس نے نانا کو پھسلا لیا۔ اس نے نانا کو نیا رملے آئل پل جو کہ بہت مہنگا تھا' ٹکا دیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نانا اپنے پرانے ٹریکٹر کے بدلے تیل سے چلنے والا وہ ہاتھی لے لیتے لیکن نانا کی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنی مشینری سے بہت محبت کرتے تھے' خواہ وہ متروک ہو چکی ہو لہٰذا نانا نے نقد رقم سے ادائیگی کر کے آنے والی کار کا پتا صاف کر دیا اور بے کار ہو رہے۔

"تمہارے نانا کی مشینوں کی محبت کی وجہ سے ہم گاؤں میں سب سے بیک ورڈ ہیں" نانی نے بتایا۔ "ہمارے ہاں اب بھی وہ مشینیں اور آلات استعمال ہوتے ہیں' جنہیں دوسرے ترک کر چکے ہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"تمہارے نانا اپنی کوئی مشین بیچنے کو تیار نہیں ہوتے اور نئی خریدنے کے لئے پیسے جمع نہیں ہو پاتے۔"

"اوہ!"

"مگر اب میں کار کے لئے رقم جمع کر رہی ہوں۔"

مجھے دلچسپی ہوئی۔ "کون سی کار خریدیں گی آپ؟"

"اسٹڈ بیکر۔"

مجھے حیرت ہوئی۔ میں شہری تھا' کاروں کے بارے میں اچھا خاصا جانتا تھا۔ "فورڈ کیوں نہیں؟"

"اسٹڈ بیکر کی تشہیر میں کہا جاتا ہے کہ وہ فری وھیلنگ آٹوموبائل ہے۔" نانی نے بتایا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"گاڑی کو ایک بار اسپیڈ دینے کے بعد انجن بند کر دو' اس کے بعد وہ میلوں بغیر پیٹرول کے چلے گی' کتنی بچت ہے۔"

"مگر اسٹڈ بیکر اور فورڈ کی قیمتوں میں اتنا فرق ہے کہ آپ اس سے ہزاروں گیلن پیٹرول خرید سکتی ہیں" میں نے نانی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن نانی نہیں مانیں۔ وہ عورت تھیں اور بار بار خیالات بدلنے کو اچھا نہیں

سمجھتی تھیں۔ "چھوڑو اس بات کو" انہوں نے کہا اور بات ختم کر دی۔

○

میں اکثر نانا اور نانی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ جب میں ان کے ہاں گیا تو میں ان دونوں کو ٹھیک سے جانتا بھی نہیں تھا۔ میں ڈیڈی اور مما کے ساتھ ان سے ملنے کے لئے دو بار آ چکا تھا۔ مگر وہ بچپن کی بات تھی۔ یہ بات سمجھنے میں مجھے خاصا وقت لگا' یہاں تک کہ کرسمس آ گیا۔ بہرحال اس وقت تک میں نے سمجھ لیا کہ وہ دونوں انسان ہیں اور ان سے میرا تعلق دشوار نہیں' آسان ہے۔ ایک لڑکا آسانی سے نانا نانی کو دوسرے لوگوں سے جدا کر کے' ان سے بہت گہری محبت کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نسلی محبت قدرتی طور پر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے اور اسے ابھارنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ وہ خود بخود ابھر آتی ہے۔ جب میں وہاں گیا تھا تو میرا خیال تھا کہ یہ نانا نانی دادی..... یہ لوگ غیر حقیقی ہوتے ہیں' جیسے ڈراموں کے کردار۔ وہ کبھی جوان رہے ہوں گے۔ انہوں نے بھی محبت کی ہو گی' نفرت کی ہو گی' دکھی ہوئے ہوں گے۔ کبھی وہ کمزور' ضدی اور اڑیل بھی رہے ہوں گے۔ کبھی ان کے مزاج پل پل رنگ بھی بدلتے ہوں گے۔ وہ خوف سے' شدتوں سے' غصے سے اور حیرت سے بھی واقف رہے ہوں گے۔ مگر یہ سب کچھ وہ اب تک بھول چکے ہوں گے۔ اب ان جذبوں سے' ان کمزوریوں سے' ان قوتوں سے وہ بے خبر ہوں گے۔

میں تو شروع سے یہی سمجھتا تھا کہ والدین سفید سن' مہربان' لاغر اور کمزور ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں عنقریب مر جانا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

○

وہ پر از واقعات موسم خزاں تھا۔ گاؤں میں حال ہی میں بجلی آئی تھی۔ شاید ناقص وائرنگ کے نتیجے میں آگ لگی۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ چرچ آگ لگنے کے نتیجے میں تباہ ہو گیا۔ اسے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری تھا اور یہ گاؤں والوں کی ذمے داری تھی۔ سب اتوار کے دن جمع ہوتے..... کیا عیسائی اور کیا مسلمان اور یہ کام کرتے۔ کبھی بارش

Scanned by iqbalmt

کا سماں ہوتا اور معمول کے کام رک جاتے تو اس دن بھی سب اکٹھے ہو کر چرچ کا کام کرتے۔ بالآخر یکم دسمبر تک نیا چرچ تعمیر ہو گیا۔ لوگوں کے لئے مالی مدد کرنا بہت مشکل تھا۔ ہر شخص جو کچھ دے سکتا تھا، دے چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ چرچ باہر سے بھی اور اندر سے بھی، رنگ و روغن سے محروم تھا۔ روشنی بھی نہیں تھی۔ بہرحال بینچیں موجود تھیں۔ فادر میکس گورین نے پہلی سروس کے دوران میں خوشی کا اظہار کیا کہ یہ بھی غنیمت ہے۔

دوسرا واقعہ اور طرح کا تھا۔ اس شام نانا گودام کی طرف سے آئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ ان کی پرانی بھیڑوں میں سے ایک بچہ دینے والی ہے۔ "میری بات پر یقین مت کرو" انہوں نے کہا۔ "کیونکہ مجھے خود بھی اپنے آپ پر یقین نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ کم از کم چار ماہ کی گیابھن ہے۔"

"تو اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"بھیڑیں موسم سرما میں کبھی بچہ نہیں دیتیں" نانا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "میں جانتا ہوں یہ بات۔ چالیس سال سے بھیڑیں پال رہا ہوں میں۔ میمنے اپریل، مئی.... اور زیادہ سے زیادہ جون میں پیدا ہوتے ہیں۔"

"اگر میں بھیڑ ہوتا....." میں نے خالص شہریوں کی سی بدتمیزی سے کہا۔ "تو میرا جب جی چاہتا، جب مناسب سمجھتا، بچہ دیتا۔ بھیڑ کوئی پابند ہے کسی کی۔"

"ہر چیز.... ہر ذی روح قانون قدرت کی پابند ہے اور تمہاری آزاد طبیعت ہی کی وجہ سے اللہ نے تمہیں بھیڑ نہیں بنایا" نانا کے لہجے میں شفقت تھی اور وہ اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔ "بلکہ اللہ نے تم پر بچہ دینے کی ذمے داری سرے سے نہیں ڈالی ورنہ تم میری نواسی بھی ہو سکتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگے.... خوب ہنسے۔

"کیا بے ہودگی ہے یہ" نانی نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"مگر میں تو کچھ سمجھا ہی نہیں" میں نے معصومیت سے کہا۔

"کہو تو سمجھاؤں" نانا نے پیش کش کی۔

نانی نے شاید بات بدلنے کی کوشش کی۔ "چلو منصر، یہ تو اچھا ہی ہے۔ تمہیں

کرسمس کے موقع پر میمنا ملنے والا ہے" وہ بولیں اور دلیئے کی دیگچی چولہے پر رکھ دی۔ "اور سنو، مجھے کیلنڈر کی تصویریں یاد آتی ہیں۔ بی بی مریم اور ننھے مسیحؑ کی تصویروں میں اکثر ایک میمنا بھی دکھایا جاتا ہے۔ کون جانے، اس زمانے میں میمنے سردیوں میں ہی پیدا ہوتے رہے ہوں۔"

"وہ تصویریں مصوروں کی بنائی ہوئی ہیں" نانا نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور مصور بھیڑیں نہیں پالتے۔ وہ کیا جانیں بھیڑوں اور میمنوں کے بارے میں۔"

تیسرا واقعہ منفی تھا..... یعنی کہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہوا۔ میرا مطلب ہے کہ برف باری نہیں ہوئی۔ دن سرمئی ہوتے گئے۔ نومبر سرد سے سرد تر ہوتا گیا۔ جھیل کی سطح پر کہرا جمتا رہا۔ نانا نے سیب کے جوس کا بیرل عقبی صحن میں رکھ دیا لیکن برف نہیں پڑی۔ ہر طرف یہی باتیں ہونے لگیں۔ لوگ جہاں ملتے، یہی موضوع رہتا۔ سب کو فکر تھی کہ اس سے سرما کی فصل خراب بھی ہو سکتی ہے۔

مگر یہ طے تھا کہ یہ موسم سرما ہے اور کرسمس قریب آ رہا تھا۔ اسکول جاتے ہوئے اور سکول سے گھر آتے ہوئے مجھے اکثر رونا آ جاتا تھا۔ پہلے ہر ہفتے ڈیڈی اور مما کو خط لکھتا تھا۔ اب ایک دن چھوڑ کر لکھنے لگا۔ عقبی صحن میں رکھا سیب کے جوس کا بیرل جمنے لگا۔ نانا ہر روز اس کی برف صاف کرتے اور اسے دوبارہ جمنے کے لئے وہیں چھوڑ دیتے۔ جب بیرل کی تہ میں شفاف مائع صرف چند انچ اونچا رہ گیا تو وہ اسے بڑی محبت سے سینے سے لگا کر لائے اور جا کر نیچے تہ خانے میں رکھ آئے۔

اس عرصے میں نانا اپنی گیابھن بھیڑ کا کثرت سے جائزہ لیتے رہے تھے۔ ان کا انداز ایسا ہوتا تھا جیسے کوئی موجد اپنی کسی ایجاد کو عملی طور پر آزمانے سے پہلے جانچتا، دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ وہ ہر ہر زاویئے سے اس کا معائنہ کرتے۔ اس کے اونی بالوں کو تھپتھپا کر دیکھتے۔ پھر کبھی سہلاتے، کبھی جھٹکتے۔ مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ بھیڑ گیابھن تھی.... اور یہ ایک حقیقت تھی۔

نانا نے اس روز تمام نمازیں گھر پر پڑھیں۔ وہ مسجد بھی نہ جا سکے۔

نانا کے گھر آنے کے بعد مجھے پہلی بار صحیح معنوں میں معلوم ہوا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس سے پہلے مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ میرے ڈیڈی

اور مما شاید بس نام کے مسلمان تھے۔ ہمارے طور طریقے' ہمارا رہن سہن عیسائیوں کا سا تھا۔ مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ ہم عیسائی نہیں' مسلمان ہیں۔ میں ڈیڈی یا مما سے فرق معلوم کرنے کی کوشش کرتا تو پتہ چلتا کہ انہیں خود بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ سچ پوچھیں تو ہمیں بس کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت آتا تھا اور بس... اور یہ معلوم تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔

نانا کے ساتھ میں نماز پڑھنے کے لئے جاتا تھا۔ نانا اور نانی روز قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ مگر نانا کو اعتراف تھا کہ مذہب کے بارے میں انہیں بھی زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان مبلغوں اور عالموں کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں ملتی تھی۔ حکومت ڈرتی تھی کہ اپنے دین کے بارے میں جان گئے تو مسلمان سخت' متعصب اور متشدد بن جائیں گے۔ بس اتنا کافی ہے کہ انہیں اپنے مذہب کے متعلق آزادی حاصل ہے۔

"تو ہم مسلمان کیوں ہیں نانا؟" میں نے نانا سے پوچھا۔

نانا چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے۔ "شاید اس لئے کہ ہم مسلمان پیدا ہوئے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے۔"

"تو ہم کرسچن کیوں نہیں ہو جاتے؟" میں نے اعتراض کیا۔ "جب ہم اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو مسلمان ہونے کا فائدہ؟"

"اس لئے کہ ہم کتنے ہی بے خبر ہوں' مگر اپنے اندر یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ دین برحق ہے" نانا نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ اسلام صرف اچھی باتیں سکھاتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔"

"اچھا نانا.... یورپ تو پورا عیسائیوں کا ہے پھر یہاں مسلمان کیسے آ گئے؟" میں نے سوال کیا۔

"لوگ دوسرے ملکوں میں تو جاتے رہتے ہیں نا۔ صدیوں پہلے سے یہ ہوتا رہا کہ کوئی کسی اسلامی ملک میں گیا اور وہاں کچھ عرصے رہا۔ اس دوران میں اس نے مسلمانوں کو دیکھا اور پھر اسلام کے بارے میں جانا.... اور اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ گھر واپس آیا تو اس نے وہ روشنی اپنے گھر والوں کو دی۔ کبھی یوں بھی ہوا

کہ ان سے متاثر ہو کر ان کے پڑوسی مسلمان ہوگئے۔ یوں خاموشی سے اسلام پھیلتا رہا۔ جب حکومت کو اندازہ ہوا تو انہوں نے مبلغین کی آمد پر پابندی لگا دی مگر اسلامی تعلیمات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ جو ایک بار ایمان لایا' پھر ایمان سے ہٹا کبھی نہیں۔"

"تو آپ اتنے بے خبر کیوں ہیں؟"

نانا افسردہ نظر آنے لگے۔ "اس لئے کہ میرے پاپا مجھے کچھ بتا نہیں سکے۔ اس لئے کہ انہوں نے کبھی مجھے دیکھا نہ میں نے انہیں۔"

اس لمحے بوڑھے نانا مجھے چھوٹے سے بچے کی طرح لگے۔ "تو نانا مسلمان کرسمس کیوں مناتے ہیں؟" میں نے ایک اور اعتراض کیا۔

"ایک بات تو یہ کہ یہ نسلوں سے ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ یہ ہماری ثقافت کا حصہ بن گیا ہے۔ دوسرا اسلام تمام پیغمبروں پر' تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے تو ہم حضرت عیسیٰؑ کے پیغمبر ہونے پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن نعوذ باللہ انہیں اللہ کا بیٹا نہیں مانتے اور نہ ہی ان کے مصلوب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم نے کبھی مسلمانوں کو ایسٹر کے تہوار میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا ہو گا۔"

نانا نے ٹھیک کہا۔ مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی تھی اس بات پر۔

"مسلمان اہل کتاب کا احترام کرتے ہیں اور جب تک ان کی دشمنی کھل کر سامنے نہ آ جائے' انہیں برا نہیں کہتے' برا نہیں سمجھتے۔ ہمارا مذہب رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم اہل کتاب کی خوشیوں میں' ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم کسی سے نفرت نہیں کرتے' بس اتنی سی بات ہے۔"

"لیکن نانا' ہمیں اپنے مذہب کے بارے میں معلوم تو ہونا چاہئے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔ وقت آئے گا تو وہ بھی ہو جائے گا' کون جانے..."

یہ باتیں میرے اور نانا کے درمیان ہوتی ہی رہتی تھیں' کبھی کبھی نانی بھی ان میں شریک ہو جاتیں۔

خیر.... اس سال کرسمس اتوار کے دن آیا۔ نانی نے بتایا کہ کرسمس کے دن وہ بھی

چرچ جاتی ہیں.... بیشتر مسلمان جاتے ہیں۔ اس رات نانی نے بیٹھے میں کیک بنایا اور سیاہ رس بھریوں سے اس کی ڈیکوریشن کی۔ یہ رس بھریاں انہوں نے اگست میں توڑ کر ٹن میں محفوظ کر لی تھیں۔ کیک مجھے بہت اچھا لگا۔

کھانے کے بعد نانا گیابھن بھیڑ کی دیکھ بھال کے لئے باڑے کی طرف چلے گئے۔ میں معمول کے مطابق نانی کا ہاتھ بٹانے لگا' جو برتن دھو رہی تھیں۔ میں برتن خشک کر کے رکھتا رہا۔ پھر نانی اگلے روز کے کھانے کے لئے مرغی روسٹ کرنے کی تیاریوں میں لگ گئیں۔ میں اس میں بھی ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

اچانک نانی نے کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھا اور بڑبڑائیں۔ "اتنی عمر ہو گئی میری۔ اتنے برسوں کا ساتھ ہے۔ مگر میں تمہارے نانا کو نہیں سمجھ سکی۔ شاید کبھی سمجھ بھی نہیں سکوں گی۔"

مجھے یقین تھا کہ نانی درست کہہ رہی ہیں۔ مجھے علم تھا کہ نانا اور نانی کا 46 سال کا ساتھ ہے۔ اگر وہ اتنے عرصے میں انہیں نہیں سمجھ سکیں تو اب کیا سمجھیں گی۔ چنانچہ میں نے بے حد سادگی سے کہا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نانی' اب تو مشکل ہی ہے۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ مشینری سے انہیں عشق ہے۔"

میری پوری توجہ ان کی طرف نہیں تھی۔ میں نے کیتلی بھر پانی چولھے پر رکھا تھا۔ اب وہ ابل رہا تھا۔ "جی نانی.... آپ نے کہا تو تھا" میں نے بے توجہی سے کہا۔

"ان سے ایک مرغی بھی ذبح نہیں کی جاتی" نانی نے انکشاف کیا۔

"مگر مرغی مشینری تو نہیں ہے نانی۔"

"ہے تو فارم کی ہی چیز۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"ارے....ساری زندگی میں ہی مرغیاں ذبح کرتی رہی ہوں" نانی بولیں۔ "اور تو اور' وہ پڑوسیوں کے لئے بھی بہت نرم ہیں۔"

"پڑوسی نہ تو مشینری ہیں' نہ فارم کی چیز" میں نے پھر اعتراض کیا۔

"پڑوسی کیا' وہ گاؤں کے کسی آدمی کو دکھ نہیں دینا چاہتے۔"

"میں سمجھا نہیں" میں نے کیتلی چولھے سے اتاری اور کھولتا ہوا پانی سنک میں ڈالا تاکہ پائپ میں موجود چکنائی کی رکاوٹ دور ہو جائے۔

"ارے.... سبھی منہ اٹھا کر آ جاتے ہیں تھریشر مانگنے۔ پچھلی گرمیوں میں بھی یہی ہوا تھا" نانی نے کہا۔ "اسی بنیاد پر تو انہوں نے نیا ٹریکٹر خریدا تھا۔ کہتے تھے' پورے گاؤں والوں کی فصلیں نمٹاؤں گا۔ یوں ٹریکٹر کی رقم نکل آئے گی۔ تب تم کار خرید لینا۔ میں ان کی باتوں میں آ گئی اور پتا ہے کیا ہوا' دو سال ہو گئے۔ یہ ہر کسی کی گندم الگ کرتے ہیں۔ مگر کبھی کسی نے ایک پائی بھی نہیں دی۔ نہ دینے کا ارادہ ہے کسی کا۔"

"کیوں؟"

"گندم کی قیمت گر گئی نا۔ تو سب نے ذخیرہ کر لیا.... اس امید پر کہ وقت آنے پر اچھی قیمت پر بیچیں گے اور انہوں نے کسی سے کچھ مانگا بھی نہیں۔ مانگتے تو مل بھی جاتے۔ میں جانتی ہوں' بیشتر لوگ ادائیگی کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنا حق مانگتے ہوئے بھی تمہارے نانا کا دل دکھتا ہے۔ کہتے ہیں.... کڑا وقت ہے ایلی سب کے لئے اور پھر سبھی دوست ہیں میرے" نانی نے نانا کے لہجے اور آواز کی نقل اتاری۔ "یہ تھا میرا مطلب کہ انہیں پڑوسیوں سے بھی عشق ہے۔"

"اوہ.... یہ بات ہے۔"

"اور کبھی بری طرح اڑ جاتے ہیں.... اڑیل ٹٹو کی طرح۔ اب یہ ان کی بھیڑ ذرا بچہ دے دے' پھر دیکھنا۔ وہ ضد کریں گے کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ سال کے اس حصے میں بھیڑ کبھی بچہ دیتی ہی نہیں۔" نانی نے مرغی کے اندر کی صفائی کرتے ہوئے دل اور کلیجی ایک طرف رکھے۔ "میں ایک اور مثال دوں۔ پتا ہے' تمہارے نانا چھ سال کے تھے تو آرگن بہت اچھا بجاتے تھے۔"

"یقین نہیں آتا۔" میں نے کہا۔

"انہیں اپنے والد کی وفات کا پتہ چلا بس پھر اس کے بعد انہوں نے کبھی آرگن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

میں نے چونک کر نانی کو دیکھا۔ "وہ کیوں؟"

"بس ضد اور اڑیل پن" نانی نے گہری سانس لی۔ "ان کی ماں مجھے بتاتی تھیں کہ انہوں نے ان کی بڑی خوشامد کی۔ التجائیں کیں۔ مگر یہ نہ مانے' ہے نا عجیب بات۔ نرم ہیں تو بہت نرم۔ اور سخت ہوئے تو کوئی ہاتھ بھی جوڑ لے' یہ ٹس سے مس نہیں ہونے والے۔"

میں نے پانی کی کیتلی کو پونچھ کر' خشک کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے خاندان کے متعلق کچھ نہ کچھ مجھے ممی بھی بتاتی رہتی تھیں۔ مجھے بہت کچھ معلوم تھا اور یاد بھی تھا۔ نانا کے والد ابراہیم اسی فارم سے جنگ پر راونہ ہوئے تھے۔ یہ 1871ء کی بات ہے۔ 1872ء میں ان کی جوان بیوی یعنی میری پرنانی سارہ کو ایک خط ملا' جس میں لکھا تھا کہ وہ چھ مہینے سے لاپتہ ہیں۔ پرنانی اپنی بیٹے یعنی میرے نانا منصر کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کرتی رہیں۔ نانا نے اپنے پاپا کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پانچ سال بعد محکمہ جنگ سے پرنانی کے نام ایک اور خط آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ نانا بڑی بہادری سے جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ان کی باقیات بھی بھجوائی گئیں' جن کی باقاعدہ تدفین ہوئی۔

"اسی لئے نانا نے اس کے بعد کبھی آرگن نہیں بجایا۔ یہی بات ہے" میں نے کہا "میرا مطلب ہے' اپنے پاپا کی وفات کا سن کر ان کا دل ٹوٹ گیا ہو گا۔"

"بکواس' نری بکواس۔ یہ تو تھڑدلا پن ہے" نانی نے غصے سے کہا۔

چند منٹ بعد باہر برف پر قدموں کی چاپ ابھری۔ اس وقت تک میں برتن خشک کرنے سے اور نانی مرغی کی صفائی سے نمٹ چکی تھیں۔ نانا کچن میں آئے اور چولھے کے پاس کھڑے ہو کر ہاتھ تاپتے رہے۔ "ایسا طوفان میں نے کبھی نہیں دیکھا" وہ بولے۔

نانی نے کراہنے کی آواز نکالی جو کراہ سے زیادہ غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"بھیڑ بھی بس بچہ دینے ہی والی ہے" نانا نے اطلاع دی۔

"اور حارث کا فون بھی بس آنے ہی والا ہو گا۔" نانی بولیں۔

وہ فون کال ڈیڈی اور ممی کی طرف سے میرے لئے کرسمس کا تحفہ تھا۔ ہمارے گھر کا فون تو کٹ چکا تھا مگر انہوں نے طے کیا تھا کہ اپنے ایک دوست کے گھر جا کر ٹھیک آٹھ بجے رات مجھے فون کریں گے۔ وہ تین منٹ کی متوقع گفتگو میرے لئے بہت

قیمتی تھی۔ اسی خیال سے نانا اور نانی ڈرائنگ روم میں چلے گئے کہ کہیں میں مروت کے مارے ان تین منٹ میں انہیں بھی شریک نہ کر لوں.... اور خود تشنہ رہ جاؤں۔

وہ کرسمس ٹری سجانے مین مصروف ہو گئے۔ شہر میں کرسمس ٹری بہت اچھی طرح سجایا جاتا ہے۔ یہاں گاؤں میں وہ بات نہیں۔ پھر بھی موم بتیاں جلائی گئیں تو جگمگاتا ہوا کرسمس ٹری بہت خوب صورت لگنے لگا۔ درخت پر صرف دو تحفے تھے.... اور دونوں میرے لئے تھے۔ نانا نے اخروٹ کی لکڑی کے دستے والا جیبی چاقو دیا تھا جبکہ نانی نے میرے لئے اپنے ہاتھوں سے بہت لمبا' بہت بڑا اونی اسکارف بنا تھا۔

"آپ دونوں کا بہت شکریہ۔ دونوں تحفے بہت اچھے ہیں" میں نے کہا۔ "مگر میں آپ دونوں کو کچھ نہیں دے سکا۔ مجھے کچھ بھی بنانا نہیں آتا اور میرے پاس پیسے بھی نہیں تھے کہ بازار سے کچھ خرید کے لے آتا۔"

"ارے حارث.... پگلے.... تم.... تم تو خود ہی ہمارا تحفہ ہو۔" نانی نے میرے رخسار چومتے ہوئے کہا۔

نانا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "اور تم ابھی بچے ہو۔ بڑے ہو جاؤ تو تحفہ بھی دے دینا۔" ان کے لہجے میں محبت تھی۔

ہم نے ایک دوسرے کو کرسمس کی مبارک باد دی پھر میں کچن میں چلا گیا کیونکہ آٹھ بجنے والے تھے۔

نانا نانی میز پر بیٹھ گئے۔ میں دیوار پر نصب ٹیلی فون کے پاس کھڑا ہو گیا۔ پانچ منٹ گزرے' مجھے بے تابی ہونے لگی' میں نے سوچا' لائن پر کوئی ہو گا۔ چنانچہ میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ سوچا کسی کی گفتگو ہی سن لوں۔ مگر وہاں ڈائل ٹون کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے ریسیور لٹکا دیا۔

چولھے میں جلتی ہوئی لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ دیواری کلاک ٹک ٹک کر رہا تھا۔ ہوا گھر کی دیواروں کو ہلائے دے رہی تھی۔

"ذرا سوچو تو" نانی نے خاموشی توڑی۔ "کون سوچ سکتا تھا کہ دو افراد جو اتنی دور ہوں' ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔ پتہ نہیں' آگے یہ انسان کیا ایجاد کرے گا۔"

نانا خاموش رہے' چند لمحے بعد بولے۔ "اتنا خراب موسم ہے۔ ٹیلی فون کا رابطہ تو منقطع نہیں ہو گیا کہیں۔"

اس پر نانی نے گھور کر انہیں دیکھا مگر منہ سے کچھ نہیں بولیں۔

"سنو حارث' فون آئے تو ہم سے بات مت کروانا" نانا بولے۔ "ہم تو خط بھی لکھ سکتے ہیں۔ یہ مختصر کال تمہارا تحفہ ہے۔ اس کا ایک ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں ہونا چاہئے۔"

"شکریہ نانا!" میں نے کہا۔ میری ہتھیلیاں پسیج رہی تھیں۔ مجھے اپنے حلق میں ایک گولا سا پھنسا محسوس ہو رہا تھا۔

بالآخر فون کی گھنٹی بجی۔ ہم سب نے سانسیں روک لیں۔ تین گھنٹیوں کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا تو مجھ سے ہیلو بھی نہیں کہا گیا۔ گلے میں پھنسا ہوا گولا دو زردی والے انڈے جتنا بڑا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر مما کی آواز ابھری اور وہ گولا ٹوٹ گیا۔ "بیٹے.... میری نظر کلاک پر ہے" مما نے کہا۔ "ہم تین منٹ سے زیادہ بات نہیں کر سکیں گے۔ تم وقت ضائع مت کرنا۔"

"مما.... آپ کیسی ہیں؟ اور ڈیڈی کیسے ہیں؟ سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں' ہم بالکل ٹھیک ہیں۔ تمہارے دوست تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔"

"انہیں کہئے گا' میں بھی انہیں بہت مس کرتا ہوں۔"

"تم سناؤ بیٹے' تم ٹھیک ہو۔ دل تو لگ گیا ہے نا؟"

"جی مما' بہت خوش ہوں میں' یہاں جانور بھی ہیں۔ بڑی دلچسپیاں ہیں۔ آپ اور ڈیڈی بھی یہاں ہوتے تو...." میری آواز بھرا گئی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"ممی اور پاپا کیسے ہیں؟" ممی نے تیزی سے موضوع بدلا۔

"جی' ٹھیک ہیں۔"

"اچھا.... اپنے ڈیڈی سے بات کرو۔"

میں نے ڈیڈی سے ان کی خیریت پوچھی پھر پوچھا کہ ملازمت ملی یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تک نہیں ملی ہے پھر انہوں نے بھی جلدی سے موضوع بدلا۔ "یہاں تو موسم بہت اچھا ہے۔ تمہاری طرف کیا حال ہے؟"

"یہاں تو برفانی طوفان آیا ہے ڈیڈی" میں نے کہا۔

"اور وہاں کی سناؤ۔"

"نانا کی ایک بھیڑ بچہ دینے والی ہے۔ نانا نے تحفے میں مجھے چاقو اور نانی نے اونی اسکارف دیا ہے.... خود بن کر...."

میری نظریں بھی کلاک کی سوئیوں پر تھیں۔ وقت ختم ہو رہا تھا۔ میری آواز پھر پھنسنے لگی۔ ممی اور ڈیڈی نے مجھے کرسمس کی مبارک باد دی اور نانی کو مبارک باد دینے کی ہدایت کی۔ پھر وہ مجھے خدا حافظ کہہ ہی رہے تھے کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں نے ریسیور ہک پر لٹکا دیا لیکن پلٹا نہیں کیوں کہ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"ایک آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن میں" نانی نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا "کیوں نہ ہم پارلر میں چلیں۔ وہاں میں میلوڈین بجاؤں گی اور ہم سب گائیں گے۔"

میں اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پلٹ کر دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ میں نے فون پر نظریں جمائے جمائے بمشکل کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کو بجانا آتا ہے۔"

"اب میں اچھا تو نہیں بجا سکتی.... پہلے کی طرح" نانی کے لہجے میں اداسی تھی " گٹھیا نے انگلیوں کو کمزور کر دیا ہے اس لئے کم ہی بجاتی ہوں لیکن پہلے بہت بجاتی تھی۔ ان کی ممی نے مجھے سکھایا تھا' بہرحال چاہو تو چلو۔"

نانی نے نانا کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں کچن سے نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے آنسو پونچھے اور ان کے پیچھے ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ نانا نے سلائیڈنگ ڈور کو دھکیل کر کھولا اور ہم پارلر میں چلے گئے۔ نانی نے روشنی کر دی۔

وہ پہلا موقع تھا کہ میں اس میلوڈین کو دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے میں کبھی پارلر میں بھی نہیں گیا تھا۔

وہ بہت بڑا اور بہت خوب صورت باجا تھا۔ 33 انچ اونچا' چالیس انچ چوڑا اور 21 انچ گہرا۔ اوپر کے ٹاپ میں قبضے لگے تھے' جس کی وجہ سے اسے فولڈ کیا جا سکتا تھا اور فولڈ کر دیا جاتا تو وہ میوزک ریک بن جاتا۔ کی بورڈ بھی بہت خوب صورت تھا۔ اوپر

خوب صورت۔ حروف میں بنانے والے کا نام لکھا تھا۔ میسن اینڈ ہیملن نیچے دس انچ چوڑے دو پیڈل تھے۔ اس کے ساتھ ایک بینچ تھی۔

نانی بینچ پر بیٹھی اور میلوڈین بجانے لگیں۔ ہم نے کئی گیت گائے۔ نانی نے جو گیت گائے' وہ میں نے کبھی نہیں سنے تھے۔ نانا بھی آواز ملا رہے تھے۔ ہم نے .... رات خاموش ہے..... اور ہم تین دل کے بادشاہ..... گائے۔ پھر نانی نے سفید چابیوں کے بجائے سیاہ چابیوں پر ہاتھ مارا۔ جبکہ میرا خیال تھا کہ وہ ایسی غلطی نہیں کر سکتیں مگر اسی لمحے میری نظران کی انگلیوں پر پڑی۔ ان کی انگلیاں سوج گئی تھیں۔ گٹھیا کا درد انہیں ستا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ بجاتی اور گاتی رہیں اور اس میلوڈین کی آواز..... میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنی خوب صورت تھی اور نانا نانی کی بوڑھی آوازوں میں باہم کتنی ہم آہنگی تھی۔ وہ بہت خوب صورت سماں تھا۔ مگر مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بہت واضح اور یقینی احساس تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ پارلر میں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔ اگرچہ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ مگر مجھے گیتوں میں ملی جلی ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے ڈر لگنے لگا۔ نہ دیکھنے کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہاں کچھ اور لوگ موجود ہیں۔

اور وہ کرسمس کی رات تھی!

نانی اچانک گاتے گاتے رکیں۔ "منصر.... مجھے بہت زبردست خیال سوجھا ہے" انہوں نے نانا سے کہا۔ "جیسے یہ خیال غیب سے آیا ہو۔"

میں اور نانا منہ کھولے انہیں دیکھتے رہے۔ ہم منتظر تھے۔

"یہ میلوڈین..... کیوں نہ ہم اسے چرچ کو دے دیں۔" وہ بینچ سے اٹھیں۔ چشمے کے پیچھے ان کی آنکھیں معمول سے زیادہ پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ "چرچ میں پیانو بھی نہیں ہے۔ یہ میلوڈین گانے میں ان کی مدد کرے گا اور ہمارے ہاں تو یہ بے کار ہی پڑا ہے۔ میں بھی نہیں بجاتی کبھی اور تم تو ہاتھ بھی نہیں لگاتے اسے۔ چرچ میں کام تو آئے گا نا۔"

نانا اپنی مونچھوں کے کناروں کو مروڑتے رہے۔ "میرے خیال میں اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"کل اتوار بھی ہے اور کرسمس بھی۔ ہم انہیں سرپرائز دیں گے۔ سب لوگ چرچ میں داخل ہوں گے..... تب انہیں میلوڈین نظر آئے گا۔"

"کل؟" نانا نے پرزور انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ "ایلی..... بھول جاؤ۔ یہ برف کا طوفان دیکھ رہی ہو۔ میں ایسے میں یہ میلوڈین چرچ تک نہیں لے جا سکتا۔"

"بیل جوتو..... اور گاڑی پر لے جاؤ۔"

"پتا ہے' برف کے ذرات ہی تین فٹ تک ہوں گے۔ گاڑی دھنس جائے گی۔ یہ ممکن ہے..."

"بکواس۔" نانی نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

"میری ایلی۔ تمہیں مایوس کرنا مجھے کبھی اچھا نہیں لگتا۔ مگر میں تمہیں بتا دوں کہ کل چرچ میں عبادت ہی نہیں ہو گی۔ راستے برف سے ڈھک چکے ہیں۔ کوئی کیسے جائے گا۔"

نانی نے منہ پھیرا اور میلوڈین پر اس کا ٹاپ ڈھک دیا۔ "کاش..... ہمارے پاس گاڑی ہوتی..... آٹو موبائل" انہوں نے آہ بھر کے کہا۔

اس پر نانا کو غصہ آ گیا۔ "ایسے میں کوئی گاڑی بھی نہیں چل سکتی۔ تمہاری اسٹڈ بیکر بھی نہیں۔"

"تمہیں کیا پتا منصر سلطان۔ تمہارے پاس کبھی گاڑی رہی ہی نہیں" نانی نے بے حد وقار سے کہا۔

میری زبان بند ہو گئی تھی۔ مجھے شرمندگی ہو رہی تھی۔ عجیب سا لگ رہا تھا۔ یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔ مجھے فارم پر آئے چار ماہ ہو چکے تھے اور میں نے کبھی انہیں ایک دوسرے سے تلخ و ترش بات کرتے نہیں سنا تھا۔ میرے حساب سے تو والدین کے والدین کو ایک دوسرے سے لڑنے کا حق ہی نہیں تھا۔ مگر وہ لڑ رہے تھے..... اور وہ بھی کرسمس کی شب!

نانا نے پہلے تو نانی کو خونخوار نظروں سے دیکھا' جو ان کی طرف پیٹھ کر کے کھڑی تھیں۔ پھر وہ میری طرف مڑے اور سر ہلا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں گودام جا رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔ "تم نے کبھی کوئی پیدائش دیکھی ہے؟"

"جی نہیں، کبھی نہیں" میں نے گھبرا کر کہا۔

"دیکھنا چاہتے ہو؟"

"جج.... جی.... کک.... کہہ نہیں سکتا۔"

"تو فیصلہ کر لو۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بھیڑ کیا دے گی.... مچھلی، کوئی پرندہ یا کوئی عجوبہ۔ بہرحال وہ میمنہ..... بھیڑ کا بچہ تو نہیں دے سکتی۔ سال کے اس حصے میں تو یہ ممکن نہیں۔ ہاں.... تو کیا خیال ہے؟"

"جی.... میں.... میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بس تو چل پڑو میرے ساتھ۔"

میں نے اپنا اسکارف اچھی طرح لپیٹا، دو جیکٹیں چڑھائیں، سر پر ٹوپی رکھی اور نانا کے ساتھ نکل آیا۔ نانا نے دو لالٹینیں جلا لی تھیں۔ ایک انہوں نے مجھے تھما دی۔ ان کی چمنیاں بہت صاف تھیں اور جگمگا رہی تھیں۔

"اف یہ مادائیں" نانا بڑبڑائے۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ ان کا اشارہ بھیڑوں کی طرف ہے یا بیویوں کی طرف۔ ایسے میں چپ رہنا ہی بہتر تھا۔

ہم باہر طوفان میں نکل گئے۔

○

میں نے اسکارف اتنی اچھی طرح لپیٹا تھا کہ نتھنوں اور آنکھوں کے سوا میرے چہرے کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں تھا۔ اس کے باوجود برف اڑاتی ہوا نے میری پلکوں کو برف سے لاد دیا۔ جی چاہتا تھا کہ اسکارف سے ناک کو بھی ڈھانپ لوں۔ مگر اس کے بعد سانس کی آمد و رفت خطرے میں پڑ جاتی۔ طوفان ایسا تھا کہ اگر لالٹین نہ ہوتی تو نہ میں نانا کو دیکھ پاتا، نہ ان کے پیچھے چل پاتا۔ کچھ سجھائی، کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ نانا کو گودام بھی نظر نہیں آ رہا ہو گا۔ مجھے بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

مگر نانا وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازہ بس اتنا کھولا کہ ہم بھی تنگی سے اندر داخل ہوئے۔ پھر انہوں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحے ہمیں ایک دوسرے پر جمی برف جھاڑنے میں لگے۔ نانا نے میری برف جھاڑی اور میں نے ان کی۔

گودام کے دور افتادہ گوشے میں بھیڑوں کا شیڈ تھا۔ وہاں سو سے زائد بھیڑیں تھیں جو بھوسے کے بستر پر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے بڑی بے تعلقی اور خاموشی سے ہمیں گھورا۔

"کون سی ہے نانا؟" میں نے اپنا اسکارف کھولتے ہوئے پوچھا۔

"وہ!" نانا نے ایک الگ تھلگ نیم دراز بھیڑ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بھیڑ ایک لمحے کے لئے اٹھی مگر فوراً ہی بیٹھ گئی۔ وہ بہت بے چین لگ رہی تھی۔

"ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کب بچہ دینے والی ہے؟" میں نے بے حد اہم سوال اٹھایا۔

"بس پتہ چل جائے گا۔"

"مگر کیسے نانا جان؟"

"تم تو گھامڑ ہو یار۔ یہ تجربے کی بات ہے۔ تمہیں تجربہ نہیں ہے۔ مجھے ہے، مجھے پتا چل جائے گا۔" لفظوں کے برعکس نانا کے لہجے میں جھنجلاہٹ نہیں تھی۔

"اچھا.... پھر ہم کیا کریں گے۔"

"سوچیں گے۔"

ہم نے اپنی ٹوپیوں کے کانوں کے غلاف اوپر اٹھا دیئے۔ باہر کے مقابلے میں شیڈ خاصا گرم تھا لیکن ہماری سانسوں کا دھواں اب بھی ہمارے سامنے دھند بنا رہا تھا۔

میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ بالآخر مجھے نر کے سینگ نظر آئے۔ وہ بہت خمیدہ اور خوبصورت سینگ تھے۔ بھیڑیئے کو بھی شاید اس کا احساس تھا۔ اس کے انداز سے تفاخر جھلک رہا تھا۔ نانا کو وہ بہت پسند تھا۔ انہوں نے اس کا نام کالون رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بہت اچھی نسل کا ہے۔ "یہ اور صدر مملکت.... دونوں بہت کم گو ہیں۔" وہ اکثر کہتے تھے۔ "اور جب یہ بولیں تو ان کی بات دھیان سے سننا چاہئے۔"

"نانا.... بھیڑ کیا سوچتی ہو گی؟" میں نے کہا۔

"اف یہ مادائیں۔" نانا نے آہ بھر کے کہا۔ "اور ان کے تضادات۔ ہوش مند آدمی تو پاگل ہو جائے۔ اب یہی دیکھ لو کہ بھیڑ مادہ ہے اور کوئی مادہ ہی اتنے بے وقت، خلاف فطرت، موسم سرما کی ایک رات، آدھی رات کے وقت بچہ دے کر ایک شریف

آدمی کو پریشان کر سکتی ہے۔ جبکہ اس وقت اسے گرم بستر میں ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی ایک عورت ہی توقع کر سکتی ہے کہ اس کا شوہر شدید برفانی طوفان میں چھ پہاڑی میل کا فاصلہ طے کر کے ایک بھاری اور بہت بڑا میلوڈین لاد کر چرچ پہنچا کر آئے گا۔ دنیا کی کوئی جدید ترین گاڑی بھی برف میں چلنے اور منزل پر پہنچنے کی سکت نہیں رکھتی۔ مگر کون کسے سمجھائے' اف یہ ادائیں!"

میں ہاتھوں میں ٹھوڑی رکھے وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد نانا نے کہا۔ "میں نے 31ء میں گاڑی لینے کا ارادہ کیا تھا مگر اس کے بدلے آئل پل لے لیا۔ پھر اگلے سال میں نے سوچا تھا کہ تھریشنگ سے جو رقم ملے گی' اس سے گاڑی خرید لوں گا۔ مگر تمہیں کیا پتہ کہ اس سال کیا ہوا۔ خیر پتہ تو ہے۔ کساد بازاری نے ہی تمہیں یہاں پہنچایا ہے۔"

بھیڑ بے چین ہو کر ایک دم کھڑی ہوئی مگر فوراً ہی لیٹ گئی۔

"ایلیا نے تین سال سے یہ آرگن نہیں بجایا ہے" نانا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

میری توجہ کالون نامی اس بھیڑیئے پر تھیں۔ وہ بڑی بے پرواہی سے سوکھی گھاس چبانے میں مصروف تھا۔ وہ اس ڈرامے سے قطعی بے خبر تھا' جو گودام کے اسٹیج پر کچھ دیر بعد کھیلا جانے والا تھا۔ حالانکہ اس ڈرامے کا سب سے بڑا سبب وہ ہی تھا۔ وہ اس ڈرامے کا مصنف تھا۔ مجھے اس کی بے نیازی پر رشک آ رہا تھا۔ جتنی اس کی مادہ بے چین تھی' اتنا ہی وہ پرسکون تھا۔ اسے تو اپنی تاریخ ساز اہمیت کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ دنیا کا پہلا اور ممکنہ طور پر آخری نر بھیڑ ہے جو دسمبر کے مہینے میں باپ بننے والا ہے۔

"اب سوچو' چقندر میں سے خون تو نہیں برآمد کیا جا سکتا" نانا نے مجھے چونکا دیا "دوستوں اور پڑوسیوں سے ایسے وقت میں پیسوں کا تقاضا کیسے کیا جا سکتا ہے' جب ان کے پاس کچھ ہو ہی نہیں۔ یہ سب اچھے لوگ ہیں۔ نادہندہ نہیں ہیں۔ جب ان کے پاس پیسے ہوں گے تو بغیر کہے ہمیں دے دیں گے۔"

"نانا' مجھے افسوس ہے کہ نانی سے آپ کی تلخی ہوئی۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال

ہے کہ اس میں میں قصور وار ہوں۔ میں یہاں نہ ہوتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ اگر تھا بھی تو ممی اور ڈیڈی کو یاد کر کے روتا تو نہیں۔ مجھے بہلانے کے لئے ہی نانی نے میلوڈین بجایا۔ میں اگر نہ روتا تو انہیں اس کا خیال بھی نہ آتا۔ اور اگر وہ میلوڈین نہ بجاتیں تو انہیں یہ خیال بھی نہ آتا۔"

"یہ کوئی خاص بات نہیں" نانا نے بھیڑیئے کالون کی سی بے نیازی سے کہا۔ "لڑائیاں تو ہوتی رہتی ہیں ہماری۔"

"کیا واقعی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں۔ کیا تمہارے ڈیڈی اور مما نہیں لڑتے۔"

"لڑتے ہیں مگر وہ تو جوان ہیں۔ میں نہیں سمجھتا تھا...."

"کہ بڈھے لوگ بھی لڑتے ہیں" نانا نے میری بات پوری کر دی "سنو میرے بچے' بڈھے بھی لڑتے ہیں۔ یہ تو زندگی ہے۔ محبت میں بے کیفی اور کمی واقع ہونے لگے تو لڑائی ہوتی ہے اور اس کے بعد محبت پہلے سے بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر شہد کے ساتھ سرکہ بھی ہوتا ہے۔ یہی تو ازدواجی زندگی ہے.... اور یہی اس کے مزے ہیں" وہ کہتے کہتے رکے' جیسے کوئی بات اچانک سمجھ میں آئی ہو۔ پھر انہوں نے مجھ پر آنکھیں نکالیں اور غصے سے بولے۔ "اور میننے' کیا میں تمہیں بوڑھا دکھائی دیتا ہوں؟"

"دکھائی تو نہیں دیتے مگر مجھے معلوم ہے کہ آپ بوڑھے ہیں" میں نے سادگی سے کہا۔

نانا ہنسنے لگے۔ خوب ہنسے۔ "تم ہو مزے کے آدمی یار!" انہوں نے بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔

گیابھن بھیڑ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی.... اور میں اسے دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ "میرا خیال ہے' میں گاڑی والے بیلوں کو اضافی چارا دے آؤں" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر آج کرسمس کی رات ہے۔ انہیں انعام ملنا چاہئے۔"

درحقیقت جیسے جیسے بھیڑ کا وقت قریب آ رہا تھا' میں اسے دیکھنے سے تائب ہوتا جا رہا تھا۔ یہ تو مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ مجھے دیکھنے کو کیا ملے گا لیکن یہ بات میری سمجھ میں آنے لگی تھی کہ اس قسم کے حقائق کے لئے ابھی میں بہت چھوٹا ہوں۔ یہ بڑوں

کے معاملات ہیں' انہیں ہی بھگتنے چاہئیں۔

میں باڑے کی طرف چلا گیا۔ پہلے میں نے گاڑی میں جوتے جانے والے بیلوں کی تواضع کی۔ پھر اصطبل کی طرف نکل گیا۔ نانا کے پاس گھوڑوں کی ایک جوڑی بھی تھی۔ ٹام اور ڈولی کھڑے کھڑے سو رہے تھے۔ میں نے ان کے آگے اچھی طرح چارا ڈالا۔ دونوں جاگ گئے۔ انہوں نے ہنہنا کر شکر گزاری کا اظہار کیا اور مزے سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے ان دونوں کو کرسمس کی مبارک باد دی اور بھیڑوں کے شیڈ میں واپس آ گیا۔

وہاں صورت حال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔

"مائی گاڈ" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی تک نمٹی نہیں۔"

"جب اس کا موڈ ہو گا' نمٹے گی" نانا بولے۔ "آخر یہ آزاد بھیڑ ہے۔"

میں پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور بھیڑ کو دیکھنے لگا۔ اس کی بے چینی بہت بڑھ چکی تھی۔

میں اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کے لئے کچھ اور سوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ "اچھا نانا' یہ بتائیں۔ یہ میلوڈین آیا کہاں سے؟" میں نے نانا سے پوچھا۔

اس کے نتیجے میں خاندان کی تاریخ سے میری آگہی کچھ اور بڑھ گئی۔

اپریل 1869ء کے ایک دن میری پرنانی سارہ اسی گھر کے کچن کی کھڑکی میں کھڑی اپنے شوہر ابراہیم کو کھیتوں میں کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس وقت زمین میں ہل چلا رہے تھے۔ اچانک وہ رک گئے انہوں نے بیلوں کی جوڑی کو وہیں چھوڑا اور گھر کی طرف چل پڑے۔ ایسا انہوں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہ ان کی فطرت تھی کہ جب کوئی کام شروع کرتے تو اسے ختم کر کے ہی دم لیتے۔

میری پرنانی اس وقت بہت کم عمر تھیں۔ ان کی شادی کو صرف دو سال ہوئے تھے۔ مگر وہ جانتی تھیں کہ ان کے شوہر انہیں کیا بتانے کے لئے آ رہے ہیں۔ پھر بھی نہ وہ روئیں نہ بے ہوش ہوئیں۔ بس انہوں نے چولھے پر چڑھی ہوئی سالن کی دیگچی کو بہت مضبوطی سے پکڑ لیا۔

ابراہیم سیدھے کچن میں آئے اور انہوں نے ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے سیدھی بات کی۔ "ہوویل کے نواح میں ایک نئی توپ خانہ رجمنٹ

کے لئے بھرتی کی جا رہی ہے۔" انہوں نے نانی سارہ کو بتایا۔ "میں بھی اس میں بھرتی ہونا چاہتا ہوں۔"

نانی سارہ نے کچھ بھی نہیں کہا۔ بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھتی رہیں۔

"تمہیں چھوڑ کر جانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے" نانا ابراہیم نے کہا۔ "لیکن میری واپسی جلد ہو گی۔ دشمن کو شکست دینے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ بات یہ ہے کہ شجاعت ہمارا آبائی ہتھیار ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے زنگ لگے۔"

"اور یہاں کا کیا ہو گا؟" بالآخر نانی سارہ نے پوچھا۔

"میں یہاں کے کاموں کے لئے ایک ملازم رکھ لوں گا۔ وہ زمین کی دیکھ بھال کیا کرے گا۔ تم اس کی نگرانی کرو گی۔ سب کام چلتا رہے گا۔"

نانی سارہ جلدی سے دیگچی پر جھک گئیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شوہر ان کے آنسو دیکھے۔

نانا ابراہیم نے چہرہ اٹھایا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ارے.... تم رو رہی ہو!؟"

"جی نہیں۔ دیگچی پر جھکی تھی۔ بھاپ کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آ گیا۔" نانی سارہ نے اپنی آواز سنبھالتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بتاؤ۔"

"کیا....؟" نانی سارہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"اگر تم بہادری سے میری جدائی سہ سکتی ہو تو میں بھی بہادری سے جنگ لڑ سکتا ہوں۔" نانا ابراہیم نے کہا۔ "یہ بات بہت دنوں سے میرے ضمیر پر بوجھ بنی ہوئی ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں مگر مجھے اپنے اسلاف کے ورثے سے بھی محبت ہے اور اپنے وطن سے بھی اور شورش کرنے والے کبھی یہاں تک بھی آ سکتے ہیں۔ ہمیں اس کا سدباب کرنا ہو گا اور ایک محبت کی خاطر دو محبتوں کو نظر انداز کر دینا بے انصافی بھی ہے۔ جبکہ میں جوان بھی ہوں اور صحت مند بھی۔ تو ایسے میں مجھے ایک بار فوج کو خدمات ضرور سونپنی چاہئیں۔"

"آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں۔ مجھے آپ پر فخر ہے۔" نانی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "آپ کو اپنا فرض بھی ادا کرنا چاہئے اور دوسری محبتوں کا خراج بھی ادا کرنا

چاہئے۔ میری محبت کبھی آپ کے راستے کی دیوار نہیں بنے گی۔"

میری آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مجھے ان دیکھے پرنانا اور پرنانی پر پیار آ رہا تھا۔

"مما نے یہ تو کہہ دیا' مگر انہوں نے جو بات پاپا کو نہیں بتائی' وہ انہیں بہت مہنگی پڑی۔" نانا بولے۔

"وہ کیا بات تھی؟" میں نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"یہ کہ میں ان کے رحم میں آ چکا ہوں۔"

بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ "میں سمجھا نہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں پگلے۔ مطلب یہ کہ جس وقت کی یہ بات ہے' مجھے مما کے پیٹ میں آئے دو ماہ ہو چکے تھے۔"

"تو بڑی نانی نے بڑے نانا کو یہ بات بتائی کیوں نہیں؟"

"انہوں نے سوچا کہ اگر انہوں نے یہ بتا دیا تو پاپا انہیں اس حال میں چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں گے. اور یہ انہیں گوارا نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ پاپا کو نہ جانے کا قلق رہے گا اور ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا رہے گا۔"

"پھر....؟"

"پھر یہ کہ انہوں نے پاپا کو بتایا نہیں۔ انہیں جنگ پر جانے دیا۔ وہ خاموشی انہیں بہت مہنگی پڑی مگر وہ بہت بہادر عورت تھیں.....بہادر لوگوں کی اولاد۔"

باہر اب برفانی طوفان کسی زخمی درندے کی طرح چنگھاڑ رہا تھا۔

"میں میلوڈین کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"ارے ہاں.... ہوا یہ کہ پاپا نے رجمنٹ جوائن کر لی۔ ایک ہفتے بعد ہوویل کا ایک دکاندار گاڑی پر یہ آرگن لاد کر ہمارے گھر لایا۔ اس نے بتایا کہ میرے پاپا نے ہوویل میں اس کا آرڈر دیا تھا اور پہنچانے کے لئے پتہ بھی دیا تھا۔ یہ پاپا کی طرف سے تحفہ تھا ماما کے لئے.... شکرگزاری کا اظہار تھا کہ انہوں نے انہیں جنگ پر جانے سے روکا نہیں۔ پاپا کو میرے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ انہوں نے سوچا' یہ آرگن ماما کا دل بہلانے میں کام آئے گا۔ ایک رفیق ثابت ہو گا۔ ماما پیانو بجانا جانتی تھیں۔ پمپ آرگن بجانا سیکھنے میں انہیں زیادہ وقت نہیں لگا۔"

"اور بعد میں انہوں نے آپ کو بھی سکھا دیا؟" میں نے تائید چاہی۔

"ہاں۔ میں چاہتا تھا کہ پاپا لوٹ کر گھر آئیں تو میں ان کے لئے آرگن بجاؤں۔ ان کا استقبال کروں اس لئے میں نے بہت شوق سے آرگن بجانا سیکھا۔"

"آگے مجھے معلوم ہے۔ بڑے نانا کبھی واپس نہیں آئے مگر یہ تو بتائیں کہ ان کی وفات کا علم ہونے کے بعد آپ نے کبھی آرگن نہیں بجایا....کیوں؟"

انہوں نے مجھے ایسی..... اور گہری نظروں سے دیکھا کہ مجھے پچھتاوا ہونے لگا۔ کاش.... میں نے یہ زخم نہ کریدا ہوتا۔ "اس لئے کہ اب میرے پاپا کبھی نہیں سن سکتے تھے۔ نہ وہ مجھے دیکھ سکتے تھے' نہ میں انہیں دیکھ سکتا تھا پھر میں کیوں بجاتا.... کس کے لئے بجاتا۔ کیا یہ وجہ کافی نہیں؟" نانا کے لہجے میں بے پناہ شدت تھی۔ اس لمحے وہ مجھے چھوٹے سے بچے کی طرح لگے۔

"کافی ہے نانا۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنا پرانا دکھ ان کے سینے میں اب تک نہ صرف زندہ..... بلکہ تازہ ہو گا۔ میں نے تصور کرنے کی کوشش کی کہ اگر میں نانا کی جگہ ہوتا اور اپنے ڈیڈی کی دید سے بھی محروم ہوتا تو میرا کیا ردعمل ہوتا لیکن مجھ سے تو یہ سوچا بھی نہیں گیا۔ لڑکے اتنی اداسی' اتنی سوگواری کے متحمل نہیں ہو سکتے مگر میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ والدین کے والدین' اتنے بوڑھے لوگ اتنے دکھی بھی ہو سکتے ہیں۔

اس معاملے سے گھبرا کر میں نے توجہ گیابھن بھیڑ پر مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ بھیڑ اچانک ہی گھبرا کر چلائی۔ اس کی اس چیخ میں اذیت تھی۔ میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدایا....یہ کیا....؟ یہ تو بلبلا رہی ہے۔"

"یہ اب تیار ہے۔"

میں نے جلدی سے لالٹین اٹھائی۔ "میں ذرا مرغیوں کو دیکھ آؤں۔" میں وہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔

"کیوں؟ تمہارے خیال مین مرغیاں کسی غیر معمولی صورت حال سے دوچار ہیں؟؟"

نانا نے مذاق اڑایا۔ "تمہارے خیال میں وہ انڈوں کی جگہ ہیرے موتی دینے والی ہیں۔"

"آپ یہ سمجھ لیں کہ میں مرغیوں کا انسپکٹر ہوں۔" میں نے بھنا کر کہا اور ٹہلتا ہوا مرغیوں کے ڈربوں کی طرف چل دیا' جو بھیڑوں کے شیڈ کے برابر ہی تھا۔

ڈربوں میں دو سو کے قریب مرغیاں تھیں اور تیس سے زائد مرغے تھے۔ وہ سب اس وقت محو استراحت تھے لیکن لالٹین کی روشنی اور میرے قدموں کی چاپ نے انہیں بے آرام کر دیا۔ ان کی نگاہوں میں میرے لئے ناپسندیدگی تھی۔ سرد راتوں میں اتنی دیر سے آنے والا بن بلایا مہمان کسے اچھا لگتا ہے۔ وہ یقیناً بہت ڈسٹرب ہوئے تھے۔ ان میں جو شریف قسم کے مرغے تھے' جو لچے لفنگے مرغوں کی طرح دن دہاڑے کی چھاپا ماری کو ناپسند کرتے تھے' اس مداخلت پر بہت جزبز ہوئے اور بھنا بھنا کر بانگ دینے لگے۔

میں نے جلدی سے لالٹین نیچے رکھی اور واعظوں اور سیاسی رہنماؤں کے درمیان کا سا انداز اختیار کیا۔ "خواتین و حضرات! میرے لئے یہ امر باعث فخر و مسرت ہے کہ اس مبارک اور مسعود رات میں مجھے آپ سے بات کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ مجھے یہ احساس ہے کہ خطاب کے لئے یہ کوئی مناسب اور شریفانہ وقت نہیں اس لئے میں اختصار سے کام لوں گا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں آپ کو ایک اہم اور کام کی نصیحت کرنے آیا ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "اور وہ نصیحت یہ ہے کہ آپ انڈے دیں' انڈے بنائے جائیں' انڈے دیئے جائیں۔ کام کریں.... کام کریں۔ صرف کام.... محنت سے.... لگن سے۔ انڈے آپ کی واحد معیشت ہیں۔ بیٹ سے کچھ بھلا نہیں ہوتا مگر آپ سوچیں تو کہ آپ بیٹ کتنی زیادہ دیتے ہیں اور انڈے کتنے کم۔ آپ انڈے زیادہ دیں اور بیٹ کم کریں تو یقیناً تھوڑے ہی عرصے میں خوشحال ہو جائیں گے اور روئے زمین پر مرغیوں کا سب سے زیادہ متمول معاشرہ آپ ہی کا ہو گا۔ محنتی مرغیوں اور مرغوں کو سلام۔" آخر میں' میں نے گرج کر کہا۔

مگر میری اس طویل مختصر تقریر کے دوران میں تمام سامعین سو چکے تھے۔ وہاں نہ چوں کی آواز تھی نہ پروں کی پھڑپھڑاہٹ۔ شریف النفس مرغوں نے بھی اپنے شغل سے دستبردار ہوتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔

"لیکن نہیں میرے ساتھیو! زیادہ جان کھپانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے خود

اپنی بات کی نفی کرتے ہوئے کہا۔ "جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ سکون سے اپنا کام کریں۔ یاد رکھیں' روم ایک دن میں نہیں بنا تھا۔ نانی کی پسندیدہ اسٹڈ بیکر ایک ہفتے میں نہیں خریدی جا سکتی۔ اس کے لئے اربوں انڈوں کی ضرورت ہے اور آپ صرف دو سو ہیں۔ سو اسکی فکر چھوڑ دیں۔ آپ دن میں ایک سے زیادہ انڈے دے ہی نہیں سکتیں۔ پھر بیکار پریشان ہو کر خود کو گھلانے کا کیا فائدہ۔ بہتر ہے' پرسکون رہیں۔ زندگی سے لطف اٹھائیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں سمیٹیں۔ فطرت کو' اس کے نظاروں کو سراہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ کو مشین بننے کے بجائے فنکار بننے پر زور دینا چاہئے۔ تعداد ناممکن ہے تو اسے کوالٹی کے ذریعے حاصل کریں۔ خوب سوچیں' خوب سجے سجائے' منفرد اور غیر معمولی انڈے دینے کی کوشش کریں۔ کوئی ایسا عجیب و غریب انڈا دینے کے بارے میں سوچیں کہ لوگ ایک انڈا ایک کروڑ انڈوں کی قیمت میں خریدنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہی صورت ہے نانی پر احسان کرنے کی اور احساس عدم تحفظ سے چھٹکارا پانے کی۔ ورنہ میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کتنا ہی زور لگائیں' کتنی ہی محنت کریں اور عام انڈے کتنے ہی دیں' بالآخر آپ کی آخری منزل نانی کے ہاتھوں حلال ہونا ہی ہے۔ ایسا جلد ہو یا بدیر اور یاد رکھیں' نانی کے ہاتھوں کٹنا شہادت بھی نہیں ہے۔"

اس آخری بات کا ردعمل دیکھنے کے لئے میں نے نظر دوڑائی۔ ایک مرغے نے زور دار بانگ دی۔ ایک مرغی خوف سے پیلی پڑ گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا انڈا اندر ہی گھل گیا ہو گا۔ ان دو کے علاوہ باقی سب خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے۔ میں نے جان لیا کہ یہ سب عاقبت نااندیش اور احمق لوگ ہیں' جنہیں آنے والے کل سے نہ کوئی غرض ہے نہ اس کی کوئی فکر ہے۔

"خواتین و حضرات' مجھے جو کہنا تھا' میں کہہ چکا۔" میں نے تقریر سمیٹی۔ "آپ سب کو کرسمس کی مبارک باد۔ اب میں چلتا ہوں۔" میں نے کمر تک جھک کر اپنے سامعین کے سامنے احتراماً سر خم کیا' اپنی لالٹین اٹھائی اور بھیڑوں کے شیڈ کی طرف واپس چل دیا۔

لیکن شیڈ تک پہنچنے سے پہلے ہی مجھے گیابھن بھیڑ کی دردناک چیخ سنائی دی۔ آواز اتنی بلند تھی کہ طوفان کا شور بھی اسے نہیں دبا سکا تھا۔ اس میں کسی شک و شبے کی

گنجائش نہیں تھی کہ وہ بیچاری بڑی اذیت میں ہے۔

میں وہاں پہنچا تو نانا اس پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ سوکھے بھوسے پر پہلو کے بل پڑی تھی۔ اس کی پچھلی ٹانگیں مخالف سمتوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ گلا پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ اس کا رد عمل یہ تھا کہ بے چار اس کا نر کالون بھی حیران و پریشان کھڑا تھا۔ یہی نہیں' اس کے تمام ہم جنس جاگ کر کھڑے تھے اور بے حد پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ کالون کی تھوتھنی پر تو باقاعدہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ شاید وہ پچھتا رہا تھا۔

"کوئی گڑبڑ ہے؟" میں نے نانا سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ یہ بے چاری سر توڑ کوشش کر رہی ہے مگر بات نہیں بن رہی ہے۔" نانا نے کہا اور بھیڑ کے پہلو کو جگہ جگہ سے دبا کر معائنہ کرنے لگے۔ "یا تو بچے کی ٹانگ کہیں پھنس گئی ہے۔ یا پھر پوزیشن ہی ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بچہ الٹا ہے یا آڑا ہے۔ ایسے میں پیدائش میں دشواری ہوتی ہے۔" نانا نے کہا۔ "اصولاً سر نیچے ہونا چاہئے۔" وہ اکڑوں بیٹھے اور انہوں نے مزید معائنہ کیا۔ "میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کاش.... مجھے معلوم ہوتا۔"

نانا دانتوں سے ناخن کاٹنے لگے۔ میں نے انہیں اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اتنی شدید سردی تھی مگر ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے پھر وہ اٹھے۔ انہوں نے اپنی جیکٹ اتاری اور قمیض کی آستینیں چڑھانے لگے۔

"اب آپ کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔ ایسے تو بات نہیں بنے گی۔ یہ مر جائے گی۔"

مجھ پر لرزہ چڑھنے لگا۔ حیرت انگیز طور پر ان کی بات پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ "نہیں نانا۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔

"یہ ضروری ہے بیٹا۔ جانور انسان کی ذمے داری ہوتے ہیں۔ انسانوں پر لازم ہے کہ ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ میں اس وقت اس کی مدد نہیں کروں گا تو یہ بھیڑ اور اس کا بچہ دونوں ختم ہو جائیں گے اور مجھے اللہ کو جواب دینا ہو گا۔"

"خدایا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں یہ پہلے بھی کر چکا ہوں۔ بچے کی ٹانگ پھنسی ہے تو اسے نکالنا ہے اور اگر پوزیشن میں خرابی ہے تو بچے کو گھما کر اس کا رخ تبدیل کرنا ہے۔"

میں نے دانت پر دانت جما دیئے۔ "میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟" میں نے بڑی ہمت کر کے پوچھا۔

"ہاں! تم اس کی دلجوئی کرو۔ اس کا حوصلہ بڑھاؤ۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھ لو اور تھپتھپاتے' چمکارتے رہو۔ یہ شدید تکلیف میں ہے۔"

"ٹھیک ہے نانا۔ یہ کام تو میں کر سکتا ہوں۔" میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

میں کبھی کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرا۔ کسی کام سے اتنا نہیں بچا۔ مجھے بھیڑ پر ترس آ رہا تھا مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ اذیت کے اس عالم میں وہ کیا کر بیٹھے گی۔ وہ تو کچھ بھی کر سکتی تھی۔ مجھے کاٹ بھی سکتی تھی' لات بھی مار سکتی تھی.... اور کچھ بھی کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں خوفزدہ تھا۔ اس کے باوجود میں بے حد احتیاط سے نیچے بیٹھ گیا اور میں نے اس کے سر کو اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا پھر میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

نانا اپنی کارروائی میں مصروف ہو گئے مگر میں نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

اس وقت اس شیڈ کا جو منظر تھا' اس نے مجھے ایک کیلنڈر پر چھپی تصویر یاد دلا دی۔ اس میں لالٹینوں کی روشنی کے گرد ہالہ تھا۔ بھوسے کے تنکے سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ بھیڑیں خاموش کھڑی تھیں اور ایک بوڑھا آدمی ایک بھیڑ پر یوں جھکا ہوا تھا' جیسے اللہ کے حضور دعا کر رہا ہو پھر مجھے اس ابتلا کا خیال آیا' جس میں نانا' وہ بھیڑ اور میں پھنسے ہوئے تھے اور مجھے لگا کہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ میں دھماکے سے پھٹ جاؤں گا۔

اچانک بھیڑ نے ایسی چیخ ماری کہ پہلے نہیں ماری تھی۔ ساتھ ہی اس نے پوری قوت سے اپنے سر کو جھٹکا۔ اسے قابو میں رکھنے کے لئے مجھے زور لگانا پڑا۔ اپنے دونوں بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹنے پڑے۔ میں نے اس کی تھوتھنی اپنے چہرے سے لگا لی۔ اسے قابو میں رکھنے کی ایک یہی صورت تھی۔

"پلیز.... میری ننھی بھیڑ.... ہلومت۔ شاباش۔" میں نے اسے چمکارا' اس کی لتھڑی ہوئی سانسیں میری ناک میں گھسی جا رہی تھیں۔ "میری ننھی بھیڑ.... فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم کامیاب رہیں گے۔" اس کے باوجود میں اسے چمکارتا رہا' تھپتھپاتا رہا۔

مجھے نہیں پتا' وہ ایک منٹ تھا یا ایک گھنٹہ۔ بہرحال وہ وقت گزر گیا اور اچانک بھیڑ نے ایک دم خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں گھبرا گیا۔ مجھے تو ایسا لگا' جیسے وہ مر گئی ہے۔

"میرے خدا۔" مجھے نانا کی چہکتی آواز سنائی دی۔

مجھ میں آنکھیں کھولنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ "کیا ہوا نانا؟" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں بمشکل پوچھا۔

"میمنا ہے.... اور کیا ہوتا؟"

"اور ٹھیک ٹھاک ہے؟"

"چاق و چوبند۔ تندرست و توانا۔"

میں نے آنکھوں کی جھریوں سے دیکھا۔ نومولود میمنا سوکھی گھاس کے تنکے چبا رہا تھا مگر اس کے پیٹ سے بندھی ہوئی ایک سرخ ڈوری بھی مجھے نظر آ رہی تھی۔ میں نے پھر آنکھیں بھینچ لیں۔ چند لمحے بعد میں نے آنکھ کھولی تو نانا نال کاٹ چکے تھے۔ "یقین نہیں آتا۔" وہ بڑبڑائے۔ "یہ کرسمس کا میمنا ہے۔ کیسی ناممکن بات ہے۔"

"مجھے بھی یقین نہیں آتا۔" میں نے آنکھیں بند کئے کئے کہا۔

"اب تم اس بے چاری کو تو چھوڑ دو۔" نانا نے کہا۔ "یہ اپنے بچے کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

میں نے بھیڑ کے سر کو اپنی گرفت سے آزاد کیا اور اٹھ کھڑا ہوا پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ نانا نے میمنے کو سوکھی گھاس پر اس کی ماں کے پہلو میں لٹا دیا۔ بھیڑ نے سر آگے کی طرف بڑھایا اور بڑی محبت سے اسے چاٹنے لگی۔ میں نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر دور جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ جسم کی جان نکل چکی ہے۔ میں نے بازو سے اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ مجھے عمل پیدائش کی تھیوری پہلے ہی سے معلوم تھی لیکن درحقیقت میں جانتا کچھ بھی نہیں تھا اور جو کچھ اب میں نے جانا اور سمجھا تھا' وہ

خوش کن ہرگز نہیں تھا۔ زندگی کے راز' زندگی کے حقائق کم ہی خوش کن ہوتے ہیں۔

بہرحال مجھے لگ رہا تھا کہ پچھلے چند گھنٹوں نے مجھے بڑا کر دیا تھا۔ میں لڑکے سے مرد بن گیا تھا۔ میں نے اس بھیڑ اور میمنے کے حوالے سے پیدائش کے عمل کو سمجھ لیا تھا۔ میں جان گیا تھا کہ انسان کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے پرنانا ابراہیم' بڑی نانی سارہ' نانا' نانی' میرے ڈیڈی اور مما.... اور میں خود کیسے پیدا ہوا ہوں گا۔ مائیں کتنی اذیت اٹھاتی ہیں تو زندگی کی افزائش ہوتی ہے۔ شاید اسی لئے اللہ نے ماں کے پاؤں کے نیچے جنت رکھی ہے۔

میں بہت کچھ سمجھ رہا تھا۔ انسان اذیتیں اٹھاتا اس دنیا میں آتا ہے' پھر یہاں جدوجہد کرتا اور تکلیفیں اٹھاتا ہے لیکن یہ اذیت اسے احساس فتح سے ہمکنار کرتی ہے۔

اس لمحے میں نے اپنے نانا کو دیکھا۔ ان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

میں اٹھا تو میرے ہونٹوں پر بھی ایک کشادہ مسکراہٹ تھی۔ میں اس وقت خود کو زندگی سے بھرپور اور بہت بڑا محسوس کر رہا تھا۔

اچانک نانا نے پوری قوت سے اپنی ہتھیلی پر گھونسا مارا۔ "آئی ول" انہوں نے بلند آواز میں کہا پھر انہوں نے جلدی سے اپنی ٹوپی سر پر جمائی' جیکٹ اٹھائی اور مجھے بہت غور سے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں جیسے کوئی آگ جل رہی تھی۔ "حارث.... میرے بچے۔ تمہارا کیا خیال ہے' ہم اسے اسٹارٹ کر سکتے ہیں؟"

"کسے اسٹارٹ کر سکتے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ٹریکٹر کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟ ٹریکٹر اسٹارٹ کر کے کیا کرنا ہے؟" میں اب بھی حیران تھا۔

"اس پر آرگن لاد کر چرچ پہنچا سکتے ہیں۔"

"اوہ....اوہ...." میں نے گہری سانس لی۔ "کیوں نہیں.... وہ اسٹارٹ کیوں نہیں ہو گا؟"

"اس لئے کہ میں نے موسم سرما میں کبھی اسے اسٹارٹ ہوتے نہیں دیکھا ہے۔" نانا نے کہا۔ "لیکن بیٹے.... اگر ہم اسے اسٹارٹ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر برف

کی بھی ایسی کی تیسی۔ اس پر تو کچھ بھی لاد کر کہیں بھی لے جا سکتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میں بھی ایکسائیٹڈ ہو گیا۔ "ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں نانا۔"

"اے.... زیادہ جذباتی مت بنو۔ فاصلہ چھ میل کا ہے اور یہ بہت خوفناک طوفانی رات ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو' ہم کامیاب ہو جائیں گے؟" ان کے لہجے میں التجا در آئی۔ وہ مجھ سے مثبت جواب سننا چاہتے تھے۔

"کیوں نہیں نانا۔ ناکامی کا تو سوال ہی نہیں۔" میں نے بے حد خلوص اور جوش سے کہا۔

"دیکھ بیٹے' میں اب نہ جوان ہوں' نہ اتنی جان ہے مجھ میں۔"

"تو میں آپ کی مدد کروں گا۔"

"بیٹے وہ آرگن بہت قیمتی ہے۔ بہت اعلیٰ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور وہ یادگار بھی ہے۔"

"ہم بہت احتیاط برتیں گے۔ اس پر خراش بھی نہیں لگے گی۔"

"میرے پاس اس آئل پل کی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سردی کے موسم میں اسے کیسے اسٹارٹ کیا جا سکتا ہے لیکن پڑھنا بہت آسان ہوتا ہے اور لکھے ہوئے کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"چھوڑیں نانا۔ کوشش کریں گے تو نتیجہ ضرور نکلے گا۔ ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کہنا آسان ہوتا ہے بیٹے اور کرنا مشکل۔ سوچو تو یہ کام ناممکن لگتا ہے۔"

"ناممکن تو اس موسم میں میمنے کی پیدائش بھی تھی لیکن دیکھ لیں' یہ سچ مچ کا.... جیتا جاگتا ہے کہ نہیں۔"

نانا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "خدا کی قسم' یہ تم نے بڑی سچی بات کہی ہے۔ معجزے تو اب بھی ہو جاتے ہیں۔ بس اللہ کی مرضی ہونی چاہئے۔" وہ کہتے کہتے رکے اور چند لمحے ہچکچائے۔ "مگر ایلی کا مسئلہ بھی تو ہے۔ یہ اس کے لئے سرپرائز ہونا چاہئے ورنہ مزہ نہیں آئے گا۔"

"ہم نانی کو بتائیں گے ہی نہیں۔"

"ایلی بہت ہلکی نیند سوتی ہے۔ کوئی دبے پاؤں قریب سے گزرے تو جاگ جاتی ہے۔" نانا جوانوں کے سے انداز میں ہنسے۔ "اور ہمارے اس ٹریکٹر کی آواز! اسے یہاں اسٹارٹ کریں تو بلغراد میں بھی بھگدڑ مچ جائے۔ تم نے اس کی آواز سنی ہی نہیں۔"

میں خاموش رہا۔ اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا میرے پاس۔

"چلو.... کہیں چل بیٹھتے ہیں۔ مل جل کر سوچیں گے تو شاید کچھ سوجھ ہی جائے گا۔"

ہم ذرا دور جا کر بھوسے پر بیٹھ گئے۔ میں ایک تنکے سے دانت کریدتا رہا۔ نانا اپنی مونچھوں کا کنارہ مروڑتے رہے۔ معاملہ بہت گمبھیر تھا۔ وہ کرسمس کی سرد ترین رات تھی۔ درجہ حرارت صفر سے کتنا نیچے ہے' یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا۔ اس موسم میں ایک بوڑھا شخص اور اس کا تیرہ سالہ نواسہ ایک ناممکن کام کرنا چاہ رہے تھے۔ پہلے مرحلے میں انہیں نقطہ انجماد سے نیچے کے موسم میں ایک بے حد پرانا ٹریکٹر اسٹارٹ کرنا تھا.... اور وہ بھی ایک ایسی خاتون کی لاعلمی میں' جو گہری نیند نہیں سوتی تھی اور ٹریکٹر ایسے اسٹارٹ ہوتا تھا' جیسے توپ سے گولا داغا گیا ہو۔ دوسرے مرحلے میں بھاری آرگن کو ٹریکٹر پر لادنا تھا۔ تیسرے مرحلے میں ایسے موسم میں' جب راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے' اس ٹریکٹر کو چھ میل دور لے کر جانا تھا اور برف باری جاری تھی اور اس آرگن کو اگلی صبح اتوار اور کرسمس کی سروس میں استعمال ہونا تھا اور صبح صرف چند گھنٹے دور تھی۔

"وہ اسے بجاتی نہیں لیکن اس آرگن سے اسے بہت محبت ہے۔ اسے خود سے جدا کرنا ایلی کے لئے آسان نہیں۔" نانا پرخیال انداز میں بڑبڑائے۔

میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی۔ میں دوسرے مسائل پر غور کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ نانا بڑے حوصلے اور ہمت والے ہیں لیکن ان میں اتنا اسٹیمنا بھی ہو گا؟ ان کی عمر ستر کے قریب تھی۔ میں نے سنا تھا کہ اتنی عمر میں آدمی کا ایک پاؤں قبر میں ہوتا ہے۔ اگر راستے میں کوئی خوفناک بات ہو گئی تو....؟ تو کیا ہو گا؟ میرا کیا ہو گا؟ میں کچھ کر سکوں گا؟

"ایلی بہت بہادر عورت ہے۔" نانا نے کہا۔ "میری ماما سارہ کی طرح۔"

Scanned by iqbalmt

میں اپنی سوچ جا رہا تھا۔ نانا نے تو نانی سے کہہ دیا تھا کہ کل چرچ میں سروس ہونا ہی ناممکنات میں سے ہے۔ تو پھر اتنی مشقت کر کے آرگن وہاں پہنچانے کا فائدہ۔ یہ مشن ہی بے سود لگ رہا تھا۔

"یہ طوفان ساری رات چنگھاڑتا رہے گا۔" نانا بولے۔ "اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بھی وقت اس کا زور ٹوٹ جائے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی دعوے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اور اگر نانی ٹریکٹر کی آواز سن کر جاگ گئیں تو مزہ ہی کرکرا ہو جائے گا۔ نانا تو انہیں سرپرائز دینا چاہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ راستے میں ٹریکٹر برف میں پھنس جائے اور میں اور نانا وہیں منجمد ہو کر وفات پا جائیں۔

"شادی کے بعد یہ پہلا کرسمس ہے کہ میں نے ایلی کو کوئی تحفہ نہیں دیا۔" نانا نے سوگوار لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ آرگن چرچ پہنچا دیا جائے اور صبح سروس میں کام آئے تو یہ اب تک کا سب سے بڑا' سب سے قیمتی تحفہ ہو گا میری طرف سے.... ایلی کے لئے۔"

مگر یہ ناممکن ہی لگتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ اچانک میرے اندر اس امنگ کی ایک لہر اٹھی' جو صرف نوجوانوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ میں نے سوچا' ایسے ناممکن کام کو کر کے ہی تو سچی خوشی ملتی ہے۔

اچانک نانا نے میرے بازو کو چھو کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بچوں کی سی خوشی چمک رہی تھی۔ "تم ذرا کل صبح اپنی نانی کے چہرے کا تو تصور کرو۔ وہ کل صبح چرچ میں داخل ہوں گی اور اچانک.... بالکل اچانک انہیں وہ آرگن نظر آئے گا۔ کیسا لگے گا!؟"

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا۔"

نانا مسکراتے رہے۔ پھر انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ "تو پارٹنر' کیا خیال ہے۔ کوشش تو کریں نا؟"

"بالکل۔" میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ہم ہر دشواری بھول

گئے تھے۔ برفانی طوفان' بھاری آرگن اور چھ میل کا ناممکن فاصلہ۔ ہم سر جوڑ کر تفصیلات طے کرنے لگے۔ منصوبے کی نوک پلک درست کرنے لگے۔ بتدریج ایک خاکہ سا تیار ہو گیا۔ اس پر عمل کرنا کسی ہیرو ہی کا کام تھا۔ ہمارے سینے کچھ کرنے سے پہلے ہی فخر سے پھول گئے۔ اس میں خطرات بھی تھے اور بدمعاشی بھی۔ ہمارے جسموں میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ ہم دو سازش کرنے والوں کی طرح سر جوڑ کر بیٹھے درپیش چیلنج سے نمٹنے کی ترکیبیں سوچتے رہے۔ یہ طے تھا کہ ہم ایک بہت بڑی مہم پر جا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" نانا نے ٹوپی کو کھول کر کانوں پر پھیلاتے ہوئے کہا پھر انہوں نے بھیڑ اور اس کے نوزائیدہ میمنے کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر یہ معزز خاتون کرسمس کے موقع پر جنم دے سکتی ہے تو اس کا مطلب ہے معجزوں کا دور ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اور ہمیں ایک معجزے ہی کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" میں نے ایسے کہا' جیسے ان کا کوئی ہم عمر دوست ہوں۔ نہیں.... بلکہ وہ مجھے اپنے ہم عمر دوست لگ رہے تھے۔

"بس تو اب کام شروع کر دینا چاہئے۔" وہ نتھنے پھلاتے ہوئے بولے۔

ہم گھر کی طرف چل دیئے۔ ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی کہ ہم نے جو کام اپنے ذمے لیا ہے' وہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ نانا نے ایک لالٹین لی اور تہ خانے میں چلے گئے۔ میں کچن میں داخل ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ میمنا آ گیا؟" نانی نے پوچھا۔

"نہیں' ابھی تو نہیں۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "میرا خیال ہے' ہمیں اس بھیڑ پر پوری رات کھپانی ہو گی۔"

"یہ تو بڑی زیادتی ہوئی تم لوگوں کے ساتھ۔ اچھا' اچھا' منصر کہاں ہیں؟"

"تہ خانے میں۔ آتے ہی ہوں گے وہ بھی۔"

نانی رات کی تیاریوں میں مصروف رہیں۔ انہیں ہاٹ واٹر بوتلیں تیار کرنی تھیں۔ سردی سے بچنے کی لئے برقی کمبل کے ساتھ یہ بوتلیں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔

نانا کچن میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں ٹن کی دو پیالیاں تھیں۔ "میں نے سوچا'

سیب کا جوس ہی ٹرائی کیا جائے۔"

"اب تک تو وہ نشہ آور ہو گیا ہو گا۔" نانی بولیں۔

"ارے نہیں۔" نانا نے کہا۔ "اس کے لئے تو کم از کم دو تین گرم دن چاہئیں۔"

نانی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگیں۔ میری نانی الکحل کسی بھی شکل میں نہیں قبول کرتی تھیں۔ انہیں تو وائن کا ایک گلاس بھی گوارا نہیں تھا۔ اس موضوع سے بچنے کے لئے وہ بننے والی سوئیاں اور اون کا گولا لے کر بیٹھ گئیں۔ نانا یہی چاہتے تھے کہ ان کا دھیان بٹے اور انہیں اپنی کارروائی کا موقع مل جائے۔ انہوں نے کپ بورڈ سے تین چھوٹے گلاس نکالے اور ٹن کے ایک کپ میں موجود مشروب دو گلاسوں میں انڈیلا اور دوسرے کپ کا مشروب انہوں نے پورا تیسرے گلاس میں انڈیل دیا۔ مجھے آنکھ مارتے ہوئے وہ تیسرا گلاس انہوں نے نانی کی طرف بڑھایا۔ باقی دونوں گلاسوں میں سے ایک انہوں نے مجھے دے دیا۔

"لو بھئی.... کرسمس مبارک ہو۔" نانا بولے۔ "خدا کرے' یہ طوفان بھی جان چھوڑ دے۔"

"اور زمین پر امن قائم ہو اور انسانوں کو فلاح نصیب ہو۔" نانی نے جام تجویز کیا۔

میں نے اور نانا نے سیب کے میٹھے مزے دار جوس کا گھونٹ لیا۔

نانی نے بھی سپ لیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے تھے منصر۔" وہ بولیں۔ "یہ خوش ذائقہ ہے۔ اور ابھی بھاری نہیں ہوا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

اس پر نانا بھی مسکرائے۔ میں بھی مسکرا دیا۔

ہم بیٹھے رہے۔ نانی کی انگلیاں سلائیوں کو گھما رہی تھیں۔ شاید وہ کوئی سوئیٹر بن رہی تھیں۔ "غیر مصروف ہاتھ شیطان کا کام کرتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ "اسی لئے میں اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ مصروف رکھتی ہوں۔"

میں نے سوچا' گٹھیا کی تکلیف کے باوجود نانی کا یہ حال ہے۔

نانی کو مزید "سیب کا جوس" دیا گیا۔ ان کے اندر ایک ترنگ پیدا ہوئی اور وہ بہت خوش مزاج لگنے لگیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ "میں تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتی

ہوں۔ دیکھو' عزت نفس اور وقار کا کیسے خیال رکھا جاتا ہے۔" انہوں نے کن انکھیوں سے نانا کو دیکھا اور بات آگے بڑھائی۔ "اب میں سوچتی ہوں' شاید یہ بھی عزت و وقار کی بات ہے کہ میں کرسمس کی صبح اپنے میلوڈین کو چرچ میں دیکھنے کی خواہش کر رہی تھی اور میں نے نہیں سوچا کہ یہ ممکن ہے یا نہیں۔ بہرحال جو کہانی میں سنا رہی ہوں' وہ تمہاری مما کے متعلق ہے۔ سنو اور سمجھو کہ عزت اور وقار کے لئے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

میں اور نانا' نانی کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"اس وقت تمہاری مما کی عمر سولہ سال ہو گی۔" نانی نے کہا۔ "ہمیں ہوویل کے ایک بینکار نے اپنے ہاں پارٹی میں مدعو کیا۔ عائشہ بھی گئی۔ ان دنوں نارنگیاں بہت قیمتی چیز ہوا کرتی تھیں اور مہمانوں کو نارنگیاں پیش کرنا تواضع کی حد ہوتی تھی۔ جسے سال میں ایک نارنگی میسر آ جاتی تھی' وہ بے حد خوش نصیب کہلاتا تھا۔" نانی نے "سیب کے جوس" کا ایک اور طویل گھونٹ لیا۔ "واہ.... بہت مزے کا ہے۔" انہوں نے ایک پھندا لگانے کی کوشش کی لیکن سلائیوں پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ ان کی پیشانی پر فکر کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ "یہ گٹھیا بڑا تکلیف دہ مرض ہے۔ کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑتا۔" انہوں نے آہ بھر کے کہا۔ "ہاں' تو میں کہہ رہی تھی کہ تمہاری ماں عائشہ کو اس پارٹی میں مدعو کیا گیا۔ ہمیں معلوم تھا کہ شام کو کسی وقت نارنگیوں کی چھوٹی ٹوکری مہمانوں کے درمیان گردش میں لائی جائے گی۔ چنانچہ میں نے عائشہ کو نصیحت کی کہ عزت اور وقار بڑی چیز ہوتی ہے۔ آدمی کو سر اونچا کر کے فخر اور عزت سے رہنا چاہئے۔ میں نے کہا.... جب ٹوکری تمہارے سامنے آئے تو تم نارنگی کے لئے ہاتھ مت بڑھانا۔ تم یہ تصور کرنا کہ گھر پر ہر روز تمہیں ایک نارنگی کھانے کو ملتی ہے۔ دوسرے لوگ جھپٹ جھپٹ کر نارنگیاں لیں گے پھر ٹوکری دوسری بار تمہارے سامنے لائی جائے تو ذرا ہچکچانا.... اور چند لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد ایک نارنگی لے لینا۔ دیکھو بیٹی' یہ ہوتے ہیں سرچشموں کے طور طریقے۔ سمجھ گئیں نا؟"

نانی نے پھر ایک پھندا لگانے کی کوشش کی اور ناکام رہیں۔ اب ان کی انگلیاں مرتعش تھیں۔ نانا نے ان کی نظر بچا کر مجھے آنکھ ماری۔ نانی نے سیب کے جوس کا ایک

اور طویل گھونٹ لیا۔ "کیا کہہ رہی تھی میں؟"

درحقیقت نانی جو کچھ پی رہی تھیں، وہ جوس نہیں، نشہ آور مشروب تھا۔ یہ بات نانا نے مجھے پہلے ہی بتا دی تھی۔ "یہ بے ضرر ہے۔ ایسا ہے، جیسے آپ کے دماغ پر کوئی تتلی آ کر بیٹھ گئی ہو۔" انہوں نے کہا تھا۔ "لیکن زیادہ مقدار میں لیا جائے تو یہ بچھو کے ڈنک سے بڑھ کر ثابت ہوتا ہے۔" دراصل نانا چاہتے تھے کہ نانی ایسی بے خبر سوئیں کہ آئل پل کے اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی انہیں نہ جگا سکے۔

"ہاں.... تو میں کہاں تھی؟" نانی نے پھر پوچھا۔

"آپ پارٹی کا واقعہ سنا رہی تھیں۔"

"کون سی پارٹی؟" نانی نے حیرت سے پوچھا۔

"نارنگیوں والی۔"

"ہاں.... پارٹی۔" اب نانی کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ "خیر.. وقت آیا اور نارنگی کی ٹوکری گردش میں لائی گئی۔ تمہارے ماں نے نارنگیوں کو نظر انداز کر دیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ عائشہ کا جی تو مچلا لیکن اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ "جی شکریہ۔" نانی کے ہاتھ سے سلائیاں گر گئیں۔ وہ نیچے دیکھنے لگیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"پھر کیا ہوا؟" میں نے انہیں چونکایا۔

"کہاں کیا ہوا؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی نے نارنگی نہیں لی پھر کیا ہوا؟"

"اوہ نارنگی۔ ہاں.... ہوا یہ کہ ٹوکری دوبارہ گردش میں آئی ہی نہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی ہلے میں صاف کر ڈالی۔ میں کہتی ہوں...."

"کیا کہتی ہو؟" نانا نے پوچھا۔

نانی اٹھیں اور لڑکھڑا گئیں۔ انہوں نے ذرا جھک کر کرسی کا سہارا لیا۔ "مجھے چکر آ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا منصر کہ بات کیا ہے۔ نیند سے برا حال ہے میرا۔"

نانا تیزی سے اٹھے۔ "تو سو جاؤ۔ چلو، میں تمہیں بیڈ تک پہنچا دوں۔"

نانا نے نانی کا ہاتھ تھاما اور انہیں بیڈ روم میں لے گئے۔ میں نے اون کا گولا اور

سلائیاں دراز میں رکھ دیں پھر میں نے نانی کے گلاس کا بچا ہوا مشروب سنک میں انڈیلا اور گلاس کو اچھی طرح دھو ڈالا۔ مشروب جیسے ہی نیچے اترا، وہاں پٹاخہ سا چلا۔ میں گھبرا گیا۔ یہ نانا نے کیا پلا دیا نانی کو۔

کمرے سے نانی کے گانے کی زور دار آواز آ رہی تھی پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگیں۔ مجھے حیرت ہونے لگی۔ یہ نانیاں، دادیاں ایسے جوان لڑکیوں کی طرح تو نہیں ہنستیں۔

ذرا دیر بعد نانا کچن میں واپس آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ ہم نے کلاک پر نظر ڈالی۔ دس بجنے والے تھے۔ ہم انتظار کرتے رہے مگر یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ بیڈ روم سے نانی کے خراٹوں کی خوش کن آواز سنائی دینے لگی۔ نانا نے سرگوشی میں مجھے اوپر جا کر تیار ہونے کی ہدایت کی۔

میں تیار ہو کر نیچے آیا۔ لکڑی کے شیڈ میں جا کر ہم نے لالٹینیں جلائیں پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھا۔ شاید ہم دونوں ہی کو یقین کی ضرورت تھی.... خود پر بھی اور ایک دوسرے پر بھی۔

پھر ہم نے دروازہ کھولا اور باہر چیختے چنگھاڑتے طوفان میں نکل گئے۔

○

ہم سیدھے غلہ گودام میں گئے۔ یہ گودام ایک طرف سے کھلا ہوا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ جنوب کی جانب سے کھلا ہوا تھا کیونکہ سرد طوفانی ہوا شمال کی سمت سے چل رہی تھی۔ سب سے پہلے ہم نے لالٹینوں میں تیل بھرا۔ اس بات کی بڑی اہمیت تھی کہ لالٹینیں راستے میں دھوکا نہ دے جائیں پھر میں نے لالٹین سے نانا کو راستہ دکھایا کیونکہ وہاں مشینری اور آلات کا انبار تھا۔ ٹریکٹر کے پاس پہنچ کر نانا اس کے آگے پیچھے گھوم کر اس کا معائنہ کرتے رہے پھر انہوں نے ٹریکٹر کی ٹنکی بھی پوری طرح بھر دی۔

میں اس ٹریکٹر کی پوری تفصیل بیان کرنا چاہتا ہوں اور یہ آسان کام نہیں۔ پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ آپ اپنے ذہن سے جدید ٹریکٹر کے تصور کو کھرچ دیں۔ نانا کا ٹریکٹر ہارس پاور سے لدا پھندا نہیں تھا۔ وہ سیلف اسٹارٹر کی عیاشی سے بھی محروم تھا۔ اس

میں ہیڈ لائٹس اور سیٹ کشن بھی نہیں تھے۔ ریڈیو نصب ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ذہن میں رکھیں کہ وہ 28ء کا ماڈل تھا۔ وہ رملے کا آئل پل ماڈل 40-20 تھا اور وہ اتنا بڑا اور بھاری تھا کہ آج کے دور میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

ٹریکٹر میں سامنے کی طرف ایک چوکور چمنی تھی' جو انجن کے موڈ کے مطابق مختلف مقداروں میں دھواں اگلتی تھی۔ سائیڈ میں ماڈل کا نام اور کمپنی کا نام لکھا تھا۔ انجن 8 x 10 انچ سائز کا تھا۔ یہ دو سلنڈر والا افقی انجن تھا۔ یہ مٹی کے تیل سے چلتا تھا اور اس کی دو رفتاریں تھیں۔ کم رفتار دو میل فی گھنٹہ تھی اور پوری رفتار 3.2 میل فی گھنٹہ تھی۔ بیلٹ وھیل پر 40 ہارس پاور کی قوت تھی اور وہ ایک منٹ میں 450 بار گھومتا تھا۔ پہیے اسپوک کیے گئے کاسٹ آئرن کے تھے۔ عقبی پہیے تقریباً چھ فٹ اونچے تھے' اگلے پہیوں اور ٹرانسمیشن کے اوپر کیب تھی' جس کے اوپر ایک سائبان تھا۔ وہاں ڈرائیور کے لئے آہنی سیٹ تھی اور اسٹیرنگ وھیل تھا.... اور دیگر کنٹرول تھے۔ یہ ٹریکٹر سولہ فٹ لمبا اور دس فٹ اونچا تھا۔ اس کا وزن تقریباً ساڑھے چھ ٹن تھا۔ اس میں بس ایک کمی تھی۔ اس میں آرمر پلیٹیں لگا دی جاتیں' دو ایک گنیں نصب کر دی جاتیں اور کیب کو گھمانے کا بندوبست کر دیا جاتا تو وہ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں کسی بھی ٹینک سے برابری کی بنیاد پر مقابلہ کر سکتا تھا۔ کم از کم میں نے اس سے پہلے اس نوعیت کی کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ہول آنے لگا۔

میری نانی کے نزدیک وہ بہت مہنگا تھا۔ وہ جس گاڑی کی آرزو رکھتی تھیں' یہ اس سے کئی گنا قیمت دے کر خریدا گیا تھا۔ میرے نانا کے نزدیک وہ ٹریکٹر طاقت' عزت اور سربلندی کا نشان تھا لیکن بہرحال میرے نانا اس کے لئے متضاد جذبات رکھتے تھے۔ انہیں اس سے محبت تھی کیونکہ اس کی مدد سے پچھلے کئی سال سے پورے گاؤں میں ہونے والی گندم کی فصل کا دانہ دانہ الگ کیا جاتا رہا تھا لیکن شاید اس سے نفرت بھی تھی کیونکہ اب تک اس سے انہیں ایک دھیلے کی آمدنی بھی نہیں ہوئی تھی اور وہ معاشی بدحالی کا زمانہ تھا۔ اس میں وہ کسی سے صلہ مانگتے تو وہ بے رحمی ہی کہلاتی۔ جبکہ ٹریکٹر کی خوراک کم نہیں تھی اور انہیں اس کا بندوبست اپنے پلے سے کرنا پڑتا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ انہوں نے غربت میں ہاتھی پال لیا تھا اور میرے نزدیک وہ ایک ایسی

عجیب الخلقت مشین تھی' جسے اس وقت' اس شدید موسم میں پٹانا تھا تاکہ اس کی مدد سے میلوڈین چرچ تک لے جایا جا سکے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ ہم ایک چوہے کو حرکت دینے کے لئے ایک پہاڑ کو آگ لگا رہے تھے۔

بہرحال پہلا مسئلہ اسے اسٹارٹ کرنا تھا۔ درجہ حرارت....درجہ حرارت تو نہیں کہا جانا چاہئے۔ بہرحال ٹمپریچر اس وقت نقطہ انجماد سے کم از کم دس درجے نیچے رہا ہو گا۔ انجن ایسا سرد ہو رہا تھا کہ اگر وہ کوئی مخلوق ہوتا تو مر چکا ہوتا۔ اتنے بڑے اور جسیم ٹریکٹر سردیوں میں اسٹارٹ ہی نہیں ہوتے۔ اس موسم میں ان کا کام ہی نہیں ہوتا۔ وہ بس بیکار پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

نانا نے سب سے پہلے دونوں سلنڈروں کے کپ میں گیسولین انڈیلا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ یہ مٹی کے تیل سے چلتا ہے۔" میں نے کہا۔

"چلتا تو ہے لیکن گیسولین زیادہ گرمی فراہم کرتی ہے۔" نانا نے وضاحت کی۔ "چنانچہ ہم اسے گیس سے اسٹارٹ کریں گے اور گیس پر ہی چلائیں گے۔ یہاں تک کہ انجن پوری طرح گرم ہو جائے پھر ہم مٹی کے تیل پر اسے چلا سکیں گے۔"

نانا نے دستانے اتارے اور فلائی وھیل کی طرف گئے۔ وہ ہینڈل پر جھکے جو دھکیلے جانے پر خود ہی واپس آ جاتا تھا۔ انہوں نے اسے ایک بار' دو بار.... تین بار گھمایا۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ نانا نے اپنے ہاتھوں پر تھوک ملا اور فلائی وھیل کو دس بارہ بار گھمایا مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

"دھماکا کرنا پڑے گا۔" نانا نے کہا۔ انہوں نے مجھے روشنی دکھانے کا اشارہ کیا اور آلات کے انبار کی طرف چل دیئے۔ وہاں سے انہوں نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک بلو ٹارچ برآمد کی۔ اس میں انہوں نے گیس بھری اور پھر ماچس کی مدد سے اسے جلایا۔ اس کی لو کم کرتے کرتے وہ اسے نیلی روشنی تک لے آئے پھر ہم ٹریکٹر کے پاس آئے۔ نانا نے بلو ٹارچ مجھے دی اور ٹریکٹر کے پلگ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پلگ کا کام انجن کے باہر کی حرارت کو اندر منتقل کرنا تھا پھر یہ اس حرارت کو مرتکز کرتا۔ گیس کے بخارات سلنڈر میں جاتے تو سلنڈر جل اٹھتا۔

میں نے نیلے شعلے کا رخ پلگ کی طرف کیا۔ نانا نے ہینڈل تھاما اور اسے کھینچے

لگے۔ لیکن نتیجہ اب بھی کچھ نہیں نکلا۔

نانا کی سانس پھول گئی۔ وہ سانس درست کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ان کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ غور و فکر کر رہے ہیں۔ بالاخر انہوں نے کہا۔ "میں کرسمس کی رات اپنی زبان گندی نہیں کرنا چاہتا ورنہ یہ ٹریکٹر صرف گالیوں کی زبان ہی سمجھتا ہے۔ خیر.... ایک ترکیب اور ہے۔ اسے آزماتے ہیں۔ تم یہاں آؤ۔"

وہ مجھے ٹریکٹر کی دوسری سائیڈ لے گئے۔ وہاں انہوں نے مجھے سلنڈر سے باہر آنے والا پائپ دکھایا۔ "تم اسے گرمی دو۔" انہوں نے کہا۔ "سلنڈر میں ٹھنڈی ہوا بھری ہوئی ہے۔ یہاں سے گرمی براہ راست سلنڈر میں جائے گی اور سرد ہوا بخارات میں تبدیل ہو جائے گی پھر گیس اپنا کام دکھا سکے گی۔"

میں پائپ کو گرمی دینے لگا اور نانا پھر ہینڈل کے ساتھ الجھ گئے۔ انہوں نے فلائی وھیل کو اتنی قوت سے اور اتنی بار گھمایا کہ اگر وہ مکھن بلونے والی مشین ہوتا تو مکھن اگل دیتا۔

نانا کا ہاتھ رکا تو ان کی سانسوں کے شور کے سامنے شوریدہ سر طوفان شرمندہ ہو گیا ہو گا۔ وہ کوئی بھی محنت کا کام کرتے تو ہانپتے ضرور تھے مگر میں نے انہیں اس طرح ہانپتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے ڈر لگنے لگا۔ انہیں پھیپھڑوں کی بیماری تھی' جو بھوسے سے برت رکھنے والوں کو اکثر ہو جاتی ہے۔ بھوسے کی گرد سانسوں کے ساتھ اندر جاتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تہ جمنے لگتی ہے۔ اس کے نتیجے میں انفیکشن بھی ہوتا ہے اور سانس لینے میں دشواری بھی ہونے لگتی ہے۔ اس زمانے میں کسانوں کو یہ بیماری اکثر ہوتی تھی۔

"برے پھنس گئے ہم۔" نانا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "تم پائپ کو گرمی دیتے ہو تو یہاں پلگ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ پلگ کو گرمی دو گے تو پائپ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" وہ کھڑے ہو کر اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان کچھ سوچتے رہے۔

"لیکن نانا' ہمت تو نہیں ہارنی چاہئے۔" میں نے انہیں چیلنج کیا۔ "ہمیں یہ کام کرنا ہے۔"

"تمہارے پاس کوئی تجویز ہے؟" انہوں نے منہ بنا کر پوچھا۔

"کہیں تو میں کوشش کروں؟"

"خوش آمدید۔"

میں لڑکپن کی خوش امیدی سے مالا مال تھا۔ میں نے دستانے اتارے اور وھیل کی طرف گیا۔ اپنے جسم کی تمام طاقت ہاتھوں میں لاتے ہوئے میں نے پوری قوت سے وھیل گھمایا۔ لیکن میں بڑی مشکل سے اسے ہاف ٹرن دے سکا۔

مجھے حیرت بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔ بوڑھے نانا اتنے طاقتور تھے کہ وھیل آسانی سے گھما لیتے تھے اور میں جوان اور صحت مند اسے ٹھیک سے ہلا بھی نہیں پا رہا تھا۔

"شکریہ بیٹے۔" نانا نے بے حد خلوص سے کہا۔

مجھے توہین کا احساس ہونے لگا۔ "کس بات کا شکریہ؟" میں نے تند لہجے میں پوچھا۔

"تم نے مجھے ایک اور راستہ سمجھا دیا۔ تمہارے بازو تو کام کے نہیں مگر ہم تمہاری ٹانگوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ سنو۔"

نانا نے دونوں لالٹینیں ٹریکٹر کے دونوں جانب رکھ دیں۔ "اب تم پلگ کو گرمی دو۔ وہ سرخ ہو جائے تو بھاگ کر دوسری طرف آؤ اور پائپ کو گرمی دو۔" انہوں نے کہا۔ "اور وہ گرم ہو جائے تو پھر بھاگ کر پلگ تک آؤ۔ یہی کرتے رہو پھرتی دکھاؤ گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ پائپ اور پلگ دونوں گرم ہو جائیں گے۔ بات بن جائے گی۔"

بات عقل کی تھی۔ میں نے عمل شروع کر دیا۔ نانا دھیرے دھیرے وھیل گھماتے رہے اور میں پلگ اور پائپ کے درمیان گردش کرتا رہا مگر اس مسلسل مشقت کا نتیجہ تھکن کے سوا کچھ بھی نہیں نکلا۔

ہم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نانا سامنے والے وھیل کے پاس بیٹھ گئے اور میں چمنی کے پاس ڈھے گیا۔ ہم دونوں نڈھال تھے۔ نانا کا اپنی مشین پر اعتماد متزلزل ہو گیا تھا اور نانا پر میرے اعتماد میں پتلی سی سہی' مگر ایک دراڑ پڑ گئی تھی۔ اس سے پہلے میں انہیں بہت بڑا انجینئر سمجھتا تھا۔

مگر اچانک اس آہنی عفریت کے اندر.... کہیں گہرائی سے ایک واضح آواز سنائی

دی۔ وہ کوئی آہ معذرت نہیں تھی بلکہ بے آرامی پر احتجاج تھا۔ ٹریکٹر اس سرد موسم میں بے وقت زحمت دیئے جانے پر احتجاج کر رہا تھا۔

نانا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں فلائی وھیل کی طرف بڑھے۔ انہوں نے بڑی آہستگی سے' نزاکت سے اسے گھمایا۔

انجن دھیرے سے کھانسا.... کھوکھو.... پھر وہ کھانسی بڑھتی گئی۔ ٹریکٹر ہلنے لگا' لرزنے لگا اور چند لمحے بعد گاڑھا سیاہ دھواں اگلنے لگا۔

ہم جیت گئے تھے۔

کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے میں اور نانا ایک دوسرے کو احمقوں کی طرح دیکھتے رہے۔

ہم دونوں کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔ اس وقت تک ٹریکٹر کی آواز اتنی زیادہ بلند ہو چکی تھی کہ بات کرنے کے لئے نانا کو میرے کان سے منہ ملا کر چیخنا پڑا۔ "اسے اور گرم ہونے کے لئے یہیں چھوڑ دو۔ ہمیں اور بھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

نانا لائحہ عمل کی جزئیات تک پہلے ہی طے کر چکے تھے' سب سے پہلے ہم نے ٹریکٹر کے راستے میں پڑی ہوئی چیزیں ایک طرف ہٹا کر راستہ بنایا۔ ہم نے بڑے تختے' دو بڑے کمبل' رسی کا ایک گچھا' لالٹینیں اور دوسری ضروری چیزیں لیں اور گھر کی طرف چل دیئے۔ ہمارے پاس ایک ہتھ گاڑی بھی تھی مگر اسے کھینچنا بڑا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ فی الوقت اس پر بوجھ بھی نہیں تھا جبکہ واپسی میں اس پر بوجھ ہونا تھا۔ میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

گھر تک پہنچتے پہنچتے ہم اسنومین بن چکے تھے.... برفانی بھوت۔

ہم نے گاڑی پورچ کی سیڑھیوں کے نیچے روکی۔ سیڑھیوں پر دو تختے بچھائے' جو ہتھ گاڑی سے ٹکے ہوئے تھے۔ رسی کی اہمیت اپنی جگہ تھی۔ پورا اہتمام کرنے کے بعد ہم ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سلائیڈنگ ڈور بہت آہستگی سے پوری طرح کھولنے کے بعد ہم پارلر میں گئے۔ ہمارا انداز نقب زنوں کا سا تھا۔ دونوں طرف سے میلوڈین کو دھکیلتے ہوئے ہم اسے ڈرائنگ روم میں.... اور پھر پورچ تک لے گئے مقام شکر تھا کہ میلوڈین کے پہیے ٹھیک کام کر رہے تھے۔

ابھی تک سب کچھ اچھی طرح ہوا تھا مگر اب دشوار مرحلہ آ گیا تھا۔

ہم نے میلوڈین کو کمبلوں سے اچھی طرح لپیٹا اور رسی کی مدد سے باندھ دیا۔ اب ہم نے دونوں سائیڈوں کو لکڑی کے دونوں تختوں پر رکھا۔ میلوڈین کو اتارنا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اوپر کی طرف میں تھا اور نیچے کی طرف نانا۔ ہم تھوڑا تھوڑا کر کے میلوڈین کو پھسلا رہے تھے۔ وہ ذرا قابو سے باہر ہوتا تو میرا دم نکل جاتا۔ ذرا سی غلطی سے نانا کا سرمہ بن سکتا تھا۔

بہ ہزار دقت ہم نے میلوڈین کو ہتھ گاڑی پر خیریت کے ساتھ چڑھا دیا پھر میں جا کر بینچ لے آیا۔

ہم میلوڈین کو لے کر گودام کی طرف چل دیئے۔ قسمت ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو ہم ہرگز یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ ہتھ گاڑی ڈھائی سو پاؤنڈ وزنی میلوڈین کے بوجھ سے دبی جا رہی تھی اور ہم گھٹنوں گھٹنوں برف میں چل رہے تھے۔ نانا کی سانس اکھڑی جا رہی تھی۔ میں بھی ہانپ رہا تھا۔ جس زنجیر کو پکڑ کر ہم ہتھ گاڑی کو کھینچ رہے تھے' وہ اب ہتھیلیوں میں اتری جا رہی تھی۔ تنگ آ کر ہم نے اسے کلائی پر لپیٹ لیا۔

گودام تک سو گز کا فاصلہ تھا' جو پندرہ منٹ میں طے ہوا۔

منزل پر پہنچ کر ہم سانس درست کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ ٹریکٹر کا انجن بدستور غرائے جا رہا تھا۔ اب وہ مٹی کے تیل پر چل رہا تھا اور اگلے مرحلے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس آہنی عفریت کے ہر حصے کو بوسوں سے بھگو دیتا۔

سانس درست کر کے ہم اٹھے۔ نانا نے بینچ کو کیب میں رکھا پھر انہوں نے ٹریکٹر کو ریورس کیا اور ہتھ گاڑی تک لے گئے۔ اب ایک اور سخت مرحلہ میلوڈین کو ہتھ گاڑی سمیت ٹریکٹر پر چڑھانے کا تھا۔ جیسے تیسے وہ مرحلہ بھی بغیر کسی نقصان کے طے ہو گیا۔ ایک مرحلے پر مجھے لگتا تھا کہ میں میلوڈین کے نیچے دب کر مر جاؤں گا۔ میں نیچے سے اسے دھکیل رہا تھا۔ رسی نہ ہوتی تو شاید کوئی حادثہ ضرور ہوتا۔ ہتھ گاڑی کے بغیر میلوڈین کو ٹریکٹر پر نہیں چڑھایا جا سکتا تھا پھر ہتھ گاڑی میلوڈین کو چرچ کے اندر پہنچانے میں بھی مدد دیتی۔

نانا نے ہینڈ تھروٹل کو آگے کی طرف دھکیلا۔ دونوں سلنڈروں نے ٹیمپو تیز کیا۔

نانا نے اسے نچلے گیئر میں ڈالا....اور ہم روانہ ہو گئے۔

مگر وہ اچھا اسٹارٹ نہیں تھا۔ دس فٹ آگے بڑھے ہوں گے کہ نانا نے ٹریکٹر کو روکا اور لالٹین ہاتھ میں لئے نیچے اتر آئے۔ "اتنا اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ ایسے میں راستہ کیسے نظر آئے گا۔ ذرا رکو۔" یہ کہہ کر وہ گودام کی طرف چلے گئے۔ وہ واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں آہنی تاروں کی مدد سے بنائے گئے حرف S کی شکل کے دو ہک تھے۔ انہوں نے دونوں لالٹینوں کو ان ہکس میں پھنسایا اور کیب کی چھت سے ان ہکس کو لالٹینوں سمیت لٹکا دیا۔ دونوں سائیڈوں پر یوں انہوں نے ہیڈ لائٹس کی کمی پوری کرنے کی کوشش کی تھی۔

نانا نے پھر تھروٹل کھینچا، نچلا گیئر لگایا، ٹریکٹر کے دیو قامت پہیئے گھومے اور ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ ہم دو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہو گئے۔ بدترین مرحلے گزر چکے تھے۔ اب صرف چھ میل کا سفر باقی تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ خدا کی تائید ہمارے ساتھ ہے۔

○

پرشور سانسیں لیتا ہوا سیاہ دیو قامت ٹریکٹر مجھے بحری جہاز کی طرح لگ رہا تھا۔ مجھے وہ بہت بڑا، بہت اونچا دکھائی دے رہا تھا۔ جھولتی ہوئی لالٹینوں کی جھلک نظر آتی تو اس پر جہاز کے مستول کا گمان ہوتا۔ نانا آگے کی طرف جھکے ہوئے برف کے سمندر کو نظروں سے ٹٹول رہے تھے۔ وہ جہاز کے کیپٹن تھے۔

اگلے ہی لمحے روشنیاں اور کیپٹن سب میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ برف نے مجھے کچھ دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ برف کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بہرحال میرے دیکھنے کی ایسی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں تھی۔ میرا فرض تو میلوڈین کو اس کی جگہ رکھنا تھا، اس کا خیال رکھنا تھا کہ اس کے گرد کمبل کو باندھنے والی رسی نہ کھلنے پائے اور میلوڈین پر سے کمبل نہ ہٹنے پائے۔

مگر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہتھ گاڑی کبھی ادھر لڑھکتی، کبھی ادھر۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ میلوڈین کے نیچے پہیئے لگے تھے۔ انہوں نے اسے اس کے جثے اور وزن کے باوجود پھرتیلا بنا دیا تھا۔ چنانچہ میرے سامنے واحد راستہ یہ تھا کہ میں مضبوطی

سے قدم جما کر میلوڈین کے پیچھے کھڑا رہوں اور دونوں ہاتھوں کے حلقے میں اسے سمیٹے رہوں۔ یہ پوزیشن بڑی عجیب تھی۔ میرے بازو سن ہو رہے تھے۔ میرے دانت بج رہے تھے اور ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

ٹریکٹر دبیز تر برف میں جاتا تو ذرا نیچے ہوتا، اس کی رفتار بھی کم ہوتی۔ اس سے نکلتا تو رفتار خود بخود بڑھتی۔ اس کے ردعمل کے طور پر ہتھ گاڑی لرزنے لگتی تھی۔ ادھر میلوڈین میری بانہوں میں تھرتھرانے لگتا۔ میں اسے ایسے لپٹائے ہوئے تھا، جیسے میں نے بھیڑ کے سر کو لپٹایا تھا۔ اس طوفانی اندھیری رات میں میلوڈین کی حفاظت کرتے ہوئے مجھ پر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کھلی۔ وہ بہت قیمتی بھی تھا.... اور بہت محبوب بھی۔ حتیٰ کہ وہ مجھے بھی محبوب ہو گیا تھا۔ ہم اسے اس کے گھر سے ہٹا رہے تھے۔ میلوڈین نے زندگی میں وہی ایک گھر دیکھا تھا۔ اس کی عمر 80 سال تھی۔ وہ ایک فوجی کسان کا تحفہ تھا.... اپنی محبوب بیوی کے لئے اور اس بیوی نے اس میلوڈین کو بجانا سیکھا تھا.... اور اپنے ننھے بیٹے کو بھی سکھایا تھا۔ یوں یہ ایک بیٹے اور ایک باپ کے درمیان واحد قابل فہم رابطہ تھا۔ جبکہ باپ نے بیٹے کو اور بیٹے نے باپ کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔

بیٹا بڑا ہو گیا۔ اس کی شادی ہو گئی۔ اس کی بیوہ ماں نے اپنی بہو کو بھی میلوڈین بجانا سکھا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری ممی نے بھی اپنے بچپن میں اس کے کی بورڈ پر اپنی ننھی ننھی انگلیاں تھرکائی ہوں گی۔ ان کے ننھے ننھے پیروں نے اس کے پیڈلوں کو دبا کر اوپر نیچے کیا ہو گا اور جب وہ بڑی ہوئی ہوں گی تو انہیں اس کے انسانی جذبات کے حوالے سے اہمیت اور اس کی تاریخی قدر و قیمت کے بارے میں معلوم ہوا ہو گا۔ ابراہیم اور سارہ، منصر اور ایلیا، میری ماں.... اور اب میں۔ یہ میلوڈین چار نسلوں کو ایک دوسرے سے ملا رہا تھا۔ ان کے درمیان تعلق جوڑنے والا رابطہ تھا اور اب نانی کی فرمائش پر نانا اس سے دستبردار ہو رہے تھے.... اسے چرچ کو بطور عطیہ دے رہے تھے۔

اب میں ٹھیک سے یاد نہیں کر سکتا کہ اس وقت مجھے یقین تھا یا نہیں مگر کرسمس کی اس رات اس بات کی اہمیت تھی بھی نہیں۔ میں دعا کر رہا تھا کہ ہم میلوڈین کو

بحفاظت چرچ تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ مجھے یقین تھا کہ خدا اس پر ہم سے یقیناً خوش ہو گا۔

پھر ایک اور مشکل مرحلہ آ گیا۔ اب ہمارے اور گاؤں کی سڑک کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی اور ہم اسے پار نہیں کر پا رہے تھے۔ آئل پل نے بہت کوشش کی لیکن چڑھائی بہت زیادہ اور بہت سیدھی تھی اور برف چار فٹ گہری تھی۔ انجن بند نہیں ہوا' پہیے گھومتے رہے۔

نانا نے ہینڈ بریک لگائے اور نیچے اتر گئے۔ "مجھے اسٹارٹ مل جائے تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ "بوجھ کم کرنا ہو گا۔"

ہم نے زنجیریں کھولیں' ہتھ گاڑی کو آزاد کر کے نیچے اتارا اور کچھ پیچھے لے گئے۔ نانا دوبارہ کیب میں سوار ہوئے۔ انہوں نے ٹریکٹر کو ریورس کیا۔ اسے کوئی تیس یا چالیس گز دور لے گئے پھر انہوں نے تھروٹل کھینچا' سیکنڈ گیئر لگایا اور ٹریکٹر پوری قوت سے آگے کی طرف چلا۔ وہ ریل کے پرانے انجن کی طرح چیختا چنگھاڑتا اوپر چڑھ رہا تھا۔ برف کے نیچے دبے ہوئے پتھر اچھل رہے تھے۔ چنگاریاں اڑ رہی تھیں مگر بالآخر وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔

میں دیوانہ وار تالیاں بجانے لگا۔

نانا نے ہینڈ بریک لگایا اور پلٹ کر نیچے آئے۔ ہم دونوں نے پھر کلائی پر زنجیر لپیٹی اور ہانپتے کانپتے ہتھ گاڑی کو اوپر کی طرف کھینچتے رہے۔ اوپر پہنچتے پہنچتے پھر ہماری سانس اکھڑ گئی مگر بالآخر ہم کامیاب ہو گئے۔

ہتھ گاڑی کو دوبارہ ٹریکٹر پر لاد دیا گیا۔

پہاڑی سے اترتے ہوئے سڑک کے دائیں جانب روشنی نظر آئی۔ وہ شاید ہینشا کا مکان تھا۔ میرا خیال ہے' انہیں ہمارے ٹریکٹر کی آواز سنائی دے رہی ہو گی۔ اس وقت کے سناٹے میں تو ٹریکٹر کی آواز شاید پورے گاؤں تک پہنچ رہی ہو گی۔ جو ہینشا اور اس کی بیوی ابھی یقیناً اٹھ گئے ہوں گے۔

جیسے ہی ہمارا ٹریکٹر ہینشا کے گھر کے سامنے رکا' نانا نیچے اتر گئے۔ "ہمارے لئے تازہ دم ہونا ضروری ہے۔" نانا نے کہا۔ "اب یہ لوگ تو جاگ ہی گئے ہوں گے' مائنڈ

نہیں کریں گے۔"

میں نے اعتراض نہیں کیا۔ میرا بھی سردی سے برا حال تھا... ان کی طرح۔ ہم منہ سے دھواں چھوڑتے ان کے گھر کی طرف چلے لیکن جیسے ہی ہم پورچ تک پہنچے' گھر کی بتیاں بجھا دی گئیں۔ نانا نے دروازے پر دستک دی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ نانا میرا ہاتھ تھام کر پورچ سے پیچھے چلے گئے۔ وہاں سے ہم بہتر طور پر آواز لگا سکتے تھے۔

مجھے بہت غصہ آ رہا تھا۔ "یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جلتی ہوئی لائٹ بھی بجھا دی۔"

"وہ شرمندہ ہوں گے۔ مقروض ہیں نا۔" نانا نے کہا۔ "انہوں نے مجھے تھریشنگ کی اجرت اب تک نہیں دی ہے۔"

"تو آپ نے ان سے مطالبہ ہی کب کیا؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہینشا اپنا قرض احسن طریقے سے اتارنے کا قائل ہے۔ نہ اتارنے پائے تو منہ چھپاتا ہے۔"

"تو وہ مارے شرمندگی کے ہم کو یہیں جم کر مرنے دیں گے۔"

"یہ بہت غریب لوگ ہیں۔ معاشی بدحالی نے سب سے زیادہ انہیں ستایا ہے۔"

یہ بات مجھے معلوم تھی۔ گاؤں میں سبھی کو ان سے ہمدردی تھی۔ وہ بے اولاد تھے۔ ان کے پاس نہ مرغیاں تھیں' نہ کوئی اثاثہ۔ ایک گائے تھی ان کے پاس اور اسی ایکڑ تقریباً ناکارہ زمین۔ پتا نہیں' ان کا گزارہ کیسے ہو رہا تھا۔ بہرحال حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی گاڑی میں چرچ جاتے تھے۔

"مجھے اس سے غرض نہیں" میں نے کہا۔ "کرسمس کی رات مہمانوں سے تو منہ نہیں موڑنا چاہئے۔"

"اس کی تکلیف بھی انہیں ہم سے زیادہ ہو گی اور ہم انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے ورنہ زندگی بھر یہ خود کو معاف نہیں کریں گے۔"

ہم انہیں آواز دیتے رہے۔ کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ نانا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دروازے پر لے گئے۔ انہوں نے پھر دستک دی۔ بالآخر چوتھی دستک پر روشنی ہوئی اور دروازہ کھلا۔ جو ہینشا نے ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ "معاف کرنا' ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ

تم ہو۔" اس نے کہا۔ "ہم سمجھے' طوفان کا شور ہے۔"

وہ کھلا جھوٹ بول رہا تھا.... آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر' مجھے بہت برا لگا۔

اندر بھی اتنی ہی سردی تھی' جتنی باہر تھی۔ چولھے میں آگ کی لو نیچی تھی۔ نانا نے کہا بھی کہ ہم ذرا خود کو گرم کرنے کے لئے رکے ہیں۔ اس کے باوجود ان میاں بیوی نے آگ بڑھانے کی کوشش نہیں کی مزید لکڑیاں ڈالنا تو درکنار' انہوں نے آگ کو کرید کر تازہ بھی نہیں کیا۔

کچن میں صرف دو کرسیاں تھیں۔ ہم دونوں ان پر بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ میرا غصہ سرد پڑنے لگا۔ ایک تو وہ میاں بیوی میرے نانا نانی سے بھی زیادہ بوڑھے تھے۔ دوسرے ان کے گھر میں کرسمس ٹری بھی نہیں تھا' جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ واقعی تباہ حال ہیں۔

نانا نے انہیں بتایا کہ ہم اتنی رات کو کس لئے نکلے ہیں تو انہوں نے نانا کو یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئے ہوں۔

"اس سال میں نے ایلی کو کوئی تحفہ نہیں دیا۔" نانا نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "ہم نے سوچا کہ صبح چرچ میں سرپرائز اس کے لئے تحفہ ہو گی۔" مگر یہ کہتے کہتے انہیں احساس ہو گیا کہ انہوں نے ان کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی ہے کیونکہ ان دونوں نے بھی اس بار ایک دوسرے کو تحفے نہیں دیئے تھے۔

وہ خاموش رہے۔ اسی خاموشی میں لمحے گزرتے رہے اور ہم سردی میں ٹھٹھرتے رہے۔ بات کرنے کے لئے بھی کوئی موضوع نہیں تھا پھر نانا نے کہا۔ "جو.... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں.... دیکھو.... ہم تیس سال سے اچھے پڑوسی ہیں...."

"مم....میں....میں شرمندہ ہوں۔" جو ہکلایا۔

"مجھے بات پوری کرنے دو جو!" نانا نے کہا۔ "مجھے تھریشنگ کی اجرت کسی نے بھی نہیں دی اور مجھے اس کی امید بھی نہیں۔ کم از کم فی الوقت تو یہ ممکن نہیں۔"

"لیکن دنیا کا کام پیسے ہی سے چلتا ہے۔" جو بولا۔

"خیر.... میرا کام اس کے بغیر بھی چل رہا ہے۔ میں اسے بھولا ہوا ہوں.... اچھا وقت آنے تک۔"

"میں اپنا قرض وقت پر چکانے کا قائل ہوں۔"

"میں یہ بات جانتا ہوں۔ تمہاری بڑی قدر ہے میرے دل میں۔"

"میں جب چھوٹی تھی تو پاپ کارن بہت کھاتی تھی۔ اب تو ملتی ہی نہیں۔" ایبی نے کہا۔

"سب کا ہی برا حال ہے۔" میرے نانا بولے۔

"آپ اگر مشکل میں ہیں جناب تو حکومت سے مدد کیوں نہیں طلب کرتے" میں نے جو ہینشا سے کہا۔

"اس ذلت کے مقابلے میں مجھے مرجانا قبول ہے۔" جو نے کہا۔

"میں جب چھوٹی تھی تو میرے پاس جھالر والے ملبوسات تھے۔" ایبی بولی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"مگر یہ آپ کا حق ہے' اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

نانا نے جلدی سے کہا۔ "اب ہمیں چلنا چاہئے۔ ابھی ہمارا کام پورا نہیں ہوا ہے۔" پھر وہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائے۔ "آپ لوگوں کا شکریہ کہ آپ نے مسافروں کو ٹھکانا فراہم کیا۔ صبح چرچ میں ملاقات ہو گی۔ میری کرسمس۔"

"یہ میری شادی والے دن کا لباس ہے۔" ایبی نے کہا۔

ہم جلدی سے باہر نکل آئے۔ ہم ٹریکٹر کے پاس پہنچے تو میں نے نانا سے پوچھا۔ "یہ ایبی کا کیا چکر ہے؟ کچھ کھسکی ہوئی ہیں کیا؟"

"کبھی وقت بھی آدمی کو کھسکا دیتا ہے۔"

"میں تو اب بھی ویسا ہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا ہوں۔"

"لکڑی بہت مہنگی ہے بیٹے۔ میں نے جو کو کچھ لکڑی دینے کی کوشش کی تھی مگر اس نے نہیں لی۔"

مجھے نانی کی سنائی ہوئی ممی کی کہانی یاد آ گئی۔ "یہ تو وہی نارنگیوں والا معاملہ ہے۔"

"ہاں بیٹے۔ عزت اور وقار بڑی چیز ہوتی ہے اور کوئی ضرورت ایسی نہیں ہوتی' جو پوری نہ ہو تو آدمی مرجائے۔"

ہم ٹریکٹر پر سوار ہو گئے۔ نانا کیب میں اور میں میلوڈین کے پاس۔ سفر پھر شروع ہو گیا۔ برف باری اب بھی ویسے ہی ہو رہی تھی جیسے کبھی بھی نہیں رکے گی۔

○

اب سفر ہموار تھا۔ ہم گاؤں کی سڑک پر تھے۔ نانا ڈرائیو کر رہے تھے۔ لالٹینیں جھول رہی تھیں۔ ہتھ گاڑی ادھر ادھر کھسک رہی تھی۔ میلوڈین میری آغوش میں محفوظ تھا۔ ہم کوئی چوتھائی میل چلے ہوں گے کہ دائیں جانب پھر روشنی نظر آئی۔ وہ اسٹیکیبل فیملی کا مکان تھا۔ یہ طے تھا کہ ہمارے وہاں سے گزرنے سے پہلے ہی ہینشا فیملی کی طرح کلائیڈ اور کیٹی بھی جاگ جائیں گے۔

ٹریکٹر رکا تو مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ "اب کیا ہوا نانا!؟"

نانا کیب سے اتر گئے۔ "میں بہت تھک گیا ہوں اور سردی سے نڈھال بھی ہوں۔" نانا نے اپنے ہاتھ بغلوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے، کچھ دیر آرام کر لیں۔"

میں بے صبرا ہو رہا تھا۔ اگر ہم اسی طرح رکتے اور آرام کرتے رہے تو سروس کے بعد ہی چرچ تک پہنچیں گے اور اسٹیکیبل کے ہاں رکنے میں مجھے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تھکا ہوا نہیں تھا۔ لہٰذا نانا کی تھکن بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

مگر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے گھٹنوں گھٹنوں برف میں نانا لڑکھڑائے اور مجھے انہیں سہارا دینا پڑا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ نانا میں بالکل جان نہیں رہی ہے۔

اس بار ہمارا اچھی طرح خیر مقدم کیا گیا۔ کیٹی اسٹیکیبل نے دروازہ کھولا اور ہمیں اندر لے گئی پھر اس نے سبز چائے کے لئے پانی چولھے پر رکھ دیا۔

"ہمیں اس طرح زحمت دینے پر شرمندگی ہے۔" نانا نے کہا۔ "ارے.... کلائیڈ کہاں ہے؟"

"انہیں سردی کے ساتھ بخار ہوا ہے۔ کھانسی بھی بہت ہے۔ میں ان کی پیشانی پر سرسوں کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔ پٹی رکھتی ہوں تو بری طرح چیختے ہیں۔ مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ کرسمس کے موقع پر یوں بیمار ہو گئے۔" کیٹی نے کہا۔

"واقعی.... یہ تو محرومی ہے۔ خیر تم پٹیاں رکھتی رہو۔ خواہ وہ کتنا ہی چیخے۔" نانا نے کہا اور لائن سے بیٹھی ہوئی کیٹی کی بیٹیوں کی طرف مڑے۔ "گڈ ایوننگ ینگ لیڈیز۔ تم میرے نواسے حارث کو جانتی ہو؟"

وہ چاروں کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ میرے جسم میں گرمی ابھرنے لگی۔ جن چار وجوہات کے تحت میں اس مکان میں ٹھہر کر آرام نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ وہی چاروں تھیں۔ کلائیڈ اور کیٹی نے جب بھی بیٹے کی آرزو کی، انہیں ایک عدد بیٹی ملی۔ چار آرزوؤں کے بعد انہوں نے ہار مان لی۔ ان چاروں کے نام بالترتیب اگنس، فرانس، ڈولورز اور گرٹروڈ تھے۔ ان کی عمریں چودہ، گیارہ، نو اور چھ سال تھیں اور وہ سیڑھیوں پر ایسے بیٹھی تھیں جیسے پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی پوزیشن پر آنے والی کھلاڑی ہوں اور انعامات کے لئے بیٹھی ہوں۔ وہ میرے ہی اسکول میں پڑھتی تھیں لہٰذا ان سے مفر ممکن نہیں تھا۔

ان لڑکیوں کو ناپسند کرنے کے باوجود میں ان کی ماں کو پسند کرتا تھا۔ وہ سرخ چہرے والی پستہ قامت اور فربہ اندام خاتون تھی۔ اس کے انداز میں گرم جوشی تھی اور وہ مہمان نوازی کے آداب سے واقف تھی۔

کیٹی نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے میرے نانا سے پوچھا۔ "یہ تو بتائیں کہ ایسی طوفانی رات میں آپ ٹریکٹر لئے کیوں پھر رہے ہیں؟"

نانا نے انہیں وجہ بتائی۔

کیٹی کے رخسار خوشی سے دہک اٹھے۔ "میں نے زندگی میں ایسا سچا اور اچھا جذبہ اور عمل پہلے نہیں دیکھا۔ چرچ کے لئے آرگن کا تحفہ اور وہ بھی کرسمس کے موقع پر۔ کل صبح ایلیا کا چہرہ خوشی سے کیسا تمتما رہا ہو گا۔ کیوں میری بچیو، ہے نا شاندار بات۔"

چاروں لڑکیاں چابی سے چلنے والی گڑیوں کی طرح سر ہلانے لگیں۔

"منصر، آپ نے کمال کر دیا۔ میں آپ کو پیٹ بھر سبز چائے پلاؤں گی۔" یہ کہہ کر کیٹی کچن میں چلی گئی۔

میں لڑکیوں سے گفتگو سے بچنے کے لئے اپنے ہاتھوں کا جائزہ لینے لگا پھر میں نے

کرسمس ٹری کا معائنہ کیا اور پھر قالین کے ڈیزائن پر غور کرنے لگا۔ آخر میں جائزہ لینے کے لئے چھت کے سوا کچھ نہیں بچا تو میں نے منہ اٹھایا اور چھت کو گھورنے لگا۔ مجھے احساس تھا کہ لڑکیاں مجھے گھور رہی ہیں۔

یہ بات نہیں کہ میں بے وقوف یا شرمیلا ہوں۔ شہر میں کئی لڑکیوں سے میری دوستی تھی۔ مگر وہ پرکشش' فیشن ایبل اور ذہین لڑکیاں تھیں.... بے شمار خوبیوں سے آراستہ.... جبکہ یہ گاؤں کی لڑکیاں بس شریر تھیں۔ چالاک بھی تھیں۔ میں کئی بار ان کی چالاکیوں اور شرارتوں کا نشانہ بن چکا تھا۔

"یہ چائے لیجئے منصر۔" کیٹی چائے لے آئی تھی۔ "منصر؟"

ہم نے نانا کی طرف دیکھا مگر وہ دیوان پر دراز ہو کر سو چکے تھے۔ ان کا سر سرہانے پر ٹکا تھا۔ منہ کھلا ہوا تھا اور وہ پرشور آواز میں سانسیں لے رہے تھے۔

کیٹی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا اور ہمیں اپنے ساتھ کچن میں چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم کچن میں پہنچے تو اس نے دروازہ بند کر لیا۔ "لو حارث بیٹے' یہاں بیٹھ کر چائے پی لو۔" اس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھائی۔ "میں نہیں چاہتی کہ تمہارے نانا کی نیند خراب ہو۔"

میں کچن ٹیبل کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سبز چائے مجھے ناپسند تھی مگر اگنس' فرانسس' ڈولورز اور گرٹروڈ کے مقابلے میں قابل قبول تھی۔ وہ چاروں بھی میز کے گرد بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے کہنیاں میز پر ٹکائی ہوئی تھیں اور ٹھوڑیاں ہاتھوں کے پیالے میں رکھے مجھے یوں گھور رہی تھیں جیسے میں عجوبہ ہوں۔

کیٹی نے برقی چولہا جلا دیا تاکہ گرمی ہو جائے پھر وہ کاؤنٹر کے قریب کھڑی مجھے بہت غور سے دیکھتی رہی۔ میں چائے کے گھونٹ لیتا رہا۔ بیڈ روم کی طرف سے مسٹر اسٹیکیل کے زور زور سے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔

"تمہارے نانا بہت تھک چکے ہیں۔ نڈھال ہو گئے ہیں۔" کیٹی نے کہا۔ "انہیں نیند کی ضرورت ہے۔"

"جی مادام!"

"ان کی عمر اور صحت کے لئے یہ موسم اور یہ رات بہت خطرناک ثابت ہو سکتی

ہے۔ جو کام تم کر رہے ہو' بہت عظیم ہے لیکن تمہارے نانا کی صحت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ تم میری خاطر ایک کام کر سکتے ہو حارث!"

"جی مادام!"

"انہیں سونے دو اور جب یہ جاگیں تو انہیں گھر جانے پر آمادہ کرو۔ آرگن صبح کے وقت چرچ پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ تو ممکن نہیں۔"

"کیوں؟"

"پھر سرپرائز نہیں رہے گی۔" میرے لہجے میں احتجاج تھا۔ "آپ کو اندازہ نہیں کہ کتنی دشواریوں اور خطرناک مرحلوں سے گزر کر ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ اب ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔"

"اوہ.... یہ بات ہے۔ کلائیڈ کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ چلے جاتے اور میں کلائیڈ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" کیٹی نے کہا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد اچانک بولی "یہ بتاؤ' تم ٹریکٹر چلا سکتے ہو؟"

"میں نے پہلے کبھی چلایا تو نہیں لیکن دیکھتا رہا ہوں۔"

"تو سنو۔ ڈننگز فیملی یہاں سے آدھا میل دور رہتی ہے۔ میں فون کر کے اوٹس کو کہتی ہوں' وہ تمہیں چرچ کے پاس مل جائے گا اور تمہاری مدد کر دے گا۔ اپنے نانا کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ ٹھیک ہے؟"

اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں نانا کی صحت کے معاملے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا لیکن مشن اس مرحلے میں نامکمل چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا جبکہ ہم کامیابی کے اتنا نزدیک پہنچ چکے تھے۔ یہ نانی کی فرمائش تھی' جسے پورا کرنے کی ضد نانا کے دل بچے نے کی تھی اور میں پوری طرح ان کے ساتھ تھا۔

سو میں ہچکچا رہا تھا۔ میلوڈین مجھ اکیلے کے بس کا نہیں تھا۔ اوٹس ہاتھ بٹا سکتا تھا لیکن پھر نانا رہ جاتے۔ بہرحال آخر میں اس بات کی اہمیت رہتی بھی نہیں ہے کہ کام کس نے نمٹایا۔ "میرا خیال ہے' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

Scanned by iqbalmt

وہ مسکرائی۔ "شکریہ حارث۔ اچھا' میں اوٹس کو فون کرتی ہوں۔"

وہ فون کے لئے ڈائننگ روم میں گئی۔ میں نے چائے ایک طرف ہٹا دی۔ "تمہیں چائے اچھی نہیں لگی؟" فرانسس نے پوچھا۔

"نہیں تو' اچھی لگی۔ اچھی لگتی ہے۔"

"جھوٹا کھوٹا۔ بے پیندے کا لوٹا۔" ڈولورز نے تبصرہ کیا۔

"یہ عرب کا شیخ ہے۔" اگنس بولی۔

"کوئی کچھ کھا پی رہا ہو تو اسے اس طرح گھورنا نہیں چاہئے۔" میں نے نصیحت کی۔

"اور کرسمس کی رات دیر سے لوگوں کے گھر جانا اور سانتا کلاز کی آمد میں خلل ڈالنا بھی بری بات ہے۔" گرٹروڈ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تم سب سے چھوٹی ہو۔ نانی دادی مت بنو۔" میں نے کہا۔

"اور سانتا کلاز سچ مچ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔" فرانسس بولی۔

"یو شٹ اپ۔" ڈولورز اس پر الٹ پڑی۔ "گرٹروڈ کو یہ بات معلوم نہیں۔ وہ ابھی چھوٹی ہے۔"

اسی وقت کیٹی واپس آ گئی۔ "اوہ ڈیئر.... میرا خیال ہے' فون کی لائنیں خراب ہو گئی ہیں' اب.... اب کیا کریں؟"

میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ جملہ....اب کیا کریں.... نہیں....اب کیا کروں میں....ہونا چاہئے اور جواب اس کا یہ ہے کہ میں جا رہا ہوں مگر یہ بات بے حد اعتماد سے بااختیار انداز میں کہنی تھی چنانچہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کندھے پھیلائے اور سینہ ابھارا اور کہا۔ "مسز اسٹیکیل...."

"میں اس کے ساتھ جا رہی ہوں۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اگنس نے اعلان کر دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور میرا دماغ خالی ہو گیا۔

"نہیں.... تم نہیں جا سکتیں۔" کیٹی نے کہا۔

"یہ بہت دبلا ہے۔ بھاری آرگن اکیلے نہیں اٹھا سکتا۔"

"میں بھی جاؤں گی۔" فرانسس نے چیخ کر کہا۔

"اور میں بھی۔" ڈولورز چلائی۔

"ممی' میں بھی جاؤں گی۔" سب سے چھوٹی گرٹروڈ کے بھی پر نکلے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" میں نے بلند آواز میں احتجاج کیا۔ "میں یہ کام اکیلا کر سکتا ہوں۔ چڑیوں کا غول لے کر میں...."

"حارث!" کیٹی نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ "حارث.... یہ برا آئیڈیا نہیں۔ میری بچیاں مضبوط ہیں اور تم اتنے بڑے بھی نہیں ہو کہ تنہا یہ سب کچھ کر سکو۔ چرچ اب دو میل دور ہے۔" اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ میں انہیں تیار کر دیتی ہوں۔ تمہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ واپسی میں بچیوں کو یہاں چھوڑنا اور اپنے نانا کو گھر لے جانا۔"

"ہم ضرور جائیں گے۔" اگنس مسکرائی۔ اسے اپنی فتح کا اندازہ ہو گیا تھا۔

"ہم جائیں گے' ہم جا رہے ہیں۔" دوسری تینوں بہنیں بھی خوش ہو گئیں۔

مجھے احساس ہوا کہ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ یہ احساس سیمسن سے لے کر ہر اس مرد کو ہوتا رہا ہے' جس پر صنف نازک مسلط ہو جاتی ہے۔ "لیکن مسز اسٹیکیل...." میں نے کمزور آواز میں احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"شش.... منصر کو نہ جگا دینا۔ شور مت کرو۔" کیٹی نے اپنی بیٹیوں کو اشارہ کیا پھر وہ میری طرف مڑی۔ "دیکھو حارث' تم ایک بہت بڑا کام کر رہے ہو۔ یہ بات نہ ہوتی تو میں انہیں کبھی نہ بھیجتی لیکن تمہاری نانی سے مجھے بہت محبت ہے اور یہ ان کی خواہش ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمیں بھی اس سعادت میں شریک کر لو۔"

"جی.... بہت بہتر۔" میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ میں پریشان ہو گیا۔ نانا نڈھال تھے اور ناقابل برداشت لڑکیوں کا ایک گروہ اسے ایڈونچر سمجھ کر اس میں شریک ہو رہا تھا۔ یہ بہت خراب صورت حال تھی مگر میں انہیں روک نہیں سکتا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

کیٹی نے بیٹیوں کو لباس تبدیل کرنے کے لئے اوپر بھیجا اور ایک جار میں سے گھر میں بنے ہوئے بسکٹ نکالے اور پلیٹ میں رکھ کر میری طرف بڑھائے۔ "مجھے یقین

ہے کہ تمہیں بہت بھوک لگ رہی ہو گی۔ میں نے اسی لئے بچیوں کو ہٹا دیا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ میری طرح بھاری ہوں لیکن تمہاری ہڈیوں کو بہرحال اپنے اوپر گوشت کی ضرورت ہے" وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ "یہ لڑکیاں بہت شریر ہیں۔ ہاتھ بٹائیں گی تو شاید کچھ بردباری آئے گی ان میں۔ تم انہیں ذرا کھینچ کر ہی رکھنا۔ واضح کر دینا کہ انہیں تمہارے حکم کی تعمیل کرنی ہے ہر حال میں۔"

بسکٹ بہت خوش ذائقہ تھے مگر میری زبان پر مزہ صرف مایوسی کا تھا۔

"تمہیں اپنے ممی ڈیڈی تو بہت یاد آئے ہوں گے آج؟"

میرا منہ بسکٹ سے بھرا ہوا تھا.... میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ اچھا ہوا کہ تمہاری ان سے فون پر بات ہو گئی۔"

اب کے میں انہیں حیرت سے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

وہ مسکرائی "گھبراؤ نہیں۔ ہم نے تمہاری گفتگو تھوڑا ہی سنی ہے.... باقی سب گاؤں والوں کو یہ بات معلوم تھی کہ بلغراد سے تمہارے لئے فون آئے گا۔"

اسی وقت سیڑھیوں پر ہونے والی دھمک نے اعلان کیا کہ لڑکیاں نازل ہونے والی ہیں۔ کیٹی نے سر اٹھا کر دیکھا اور مجھ سے آہستہ سے بولی۔ "حارث' موقع ملے تو اپنے نانا کو بتانا کہ تھریشنگ کی ادائیگی نہ کرنے پر ہم ان سے شرمندہ ہیں۔ کلائیڈ ہر وقت اس بات پر کڑھتا رہتا ہے مگر فی الوقت ہم کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ کہہ دو گے نا بیٹے؟"

میں نے بسکٹ نمٹا دیا۔ "جی مادام.... کہہ دوں گا۔"

"کچھ اس وجہ سے بھی میں لڑکیوں کو بھیج رہی ہوں۔ پیسے نہ سہی' مگر ضرورت کے وقت مدد تو کی جا سکتی ہے۔"

"جی شکریہ!"

لڑکیاں نیچے آ گئیں۔ کیٹی ان کا معائنہ کرنے لگی۔ "ہاں ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔ "اب تم جا کر کرسمس ٹری سے اپنے تحفے یہاں لے آؤ' جلدی کرو۔"

"تحفے؟ سانتا کو تو موقع ہی نہیں ملا آنے کا؟" چھوٹی گرٹروڈ نے اعتراض کیا۔

"ارے.... وہ پہلے ہی آ گیا ہو گا۔ جب ہم لوگ سو رہے تھے۔" کیٹی نے کہا۔

لیکن گرٹروڈ آسانی سے قائل ہونے والی نہیں تھی۔ "مگر میں تو سوئی ہی نہیں اور میں نے اسے آتے بھی نہیں دیکھا۔ قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی۔"

"اب اس کے لئے پریشان نہ ہو۔ تحفے لے آؤ۔ جلدی کرو۔"

وہ تینوں دبے قدموں ڈرائنگ روم میں گئیں اور واپس آ گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں تحفوں کے ایک جیسے پیکٹ تھے۔

"اب انہیں کھولو۔" ان کی ماں نے حکم دیا۔

انہوں نے پیکٹ کھولے۔ ہر پیکٹ میں ربر کے لمبے جوتے تھے جو سردیوں میں پہنے جاتے ہیں۔

"واہ بھئی.... سانتا کلاز کو پتہ ہوتا ہے کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔" کیٹی نے کہا۔

"جوتے!" اگنس بولی۔

"جوتے!" فرانس نے دہرایا۔

"واہ!" ڈولورز نے تبصرہ کیا۔

"مگر میں نے تو گڑیا مانگی تھی۔" گرٹروڈ نے احتجاج کیا۔

کیٹی کا منہ بن گیا۔ "شکر کرو خدا کا۔ لاکھوں بچیاں ایسی ہوں گی جنہیں کرسمس ٹری کے نیچے کوئی تحفہ نہیں ملا ہو گا۔ میرا خیال ہے' جیسے ہم سب کے لئے یہ کڑا وقت ہے' ویسے ہی سانتا کلاز کے لئے بھی ہے۔ اچھا اب انہیں پہنو اور اپنے کوٹ پہنو پھر ٹوپیاں سر پر رکھو۔ جلدی کرو' حارث پریشان ہے۔ تمہیں چھوڑ ہی نہ جائے۔"

وہ چاروں یہ سنتے ہی تیزی سے چلی گئیں۔ "تم بڑے پیارے ہو حارث۔ ہمیں بھی بیٹے کی بڑی آرزو تھی۔" کیٹی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "مجھے اپنی بیٹیوں سے بہت محبت ہے مگر ایک بڑا بیٹا ہوتا تو وہ ان کی رہنمائی کرتا نا۔"

لڑکیاں تیار ہو کر آ گئیں۔ ٹوپیاں انہوں نے آنکھوں کے اوپر تک کھینچ لی تھیں اور مفلر آنکھوں کے نیچے تک چڑھا لئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے اتنی ہی خوشی ہوئی جتنی سبز چائے کی دوسری پیالی ملنے پر ہو سکتی تھی۔

کیٹی نے اپنے دستانے کا معائنہ کیا۔ "دستانے لے لئے تم نے؟" چار سر اوپر

نیچے ہلنے لگے۔

"اور سن لو۔ حارث انچارج ہے تم سب کا۔ کسی نے اس کا حکم نہ مانا تو چمڑی اتار دوں گی اس کی سمجھ گئیں۔"

چاروں سر پھر ہلنے لگے۔

"اور سنو.... شاید آج کی رات تمہیں کرسمس کے بارے میں بہت کچھ سکھانا چاہتی ہے۔ کرسمس کا مطلب صرف لینا نہیں' دینا بھی ہے۔ دینے میں اصل خوشی ہے۔ حارث کو اور اس کے نانا کو دیکھو' یہ مسلمان ہیں مگر کرسمس کے موقع پر اتنی تکلیف اٹھا کر چرچ کو تحفہ دے رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آج تم مثالی کام کرو۔ مدد کرو' بدتمیزی بالکل نہ ہو' ٹھیک ہے؟؟"

ان چاروں نے بڑی شدت سے سر ہلائے۔ ماں نے باری باری لپٹا کر انہیں پیار کیا پھر دانتوں سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ کرسمس کی سرد اور طوفانی رات میں اتنی دیر کو اپنی بچیوں کو کہیں بھاری کام کے لئے بھیجنا کسی ماں کے لئے بھی آسان نہیں ہو سکتا۔

"اب تم جاؤ۔ اور منصر کی نیند خراب نہ ہو۔ میں تمہارے پاپا کو اس وقت تک کچھ نہیں بتاؤں گی' جب تک تم خیریت سے واپس نہ آ جاؤ۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ اچھا حارث' ان کا خیال رکھنا بیٹے!"

"جی ضرور۔" میں نے بے حد خلوص سے کہا۔

ہم دبے پاؤں ڈرائنگ روم سے گزرے۔ نانا خراٹے لے رہے تھے۔ میرا جی چاہا کہ انہیں جگا کر ان سے معذرت کروں۔ ایک اعتبار سے میں ان سے غداری کر رہا تھا مگر مجبوری تھی۔

کیٹی نے دروازہ کھولا اور پورچ تک آئی۔ باہر برف باری اور ہوا کی وہی کیفیت تھی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ محبت بھری مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لئے اور میرے کان میں بولی "حارث۔ لارڈ تمہارا نگہ بان ہو' جاؤ۔"

"شکریہ مادام!" میں نے کہا۔

○

رملے آئل پل ماڈل 20-40 ٹریکٹر کو میں آج تک دنیا کا سب سے شاندار ٹریکٹر

سمجھتا ہوں۔ اس رات اس نے وہ کچھ کر دکھایا جو دنیا کی کوئی گاڑی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ہر توقع پر پورا اترا۔ جو ہم نے چاہا' اس نے کر دکھایا.... اور وہ بھی تھوڑے سے مٹی کے تیل.... اور تھوڑی سی خوش اعتقادی کے عوض۔ میں نے اسے چلایا۔ جبکہ مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی تھی۔

میں نے تھروٹل اوپر کیا۔ نچلا گیئر لگایا۔ پہئے گھومے.... اور دھواں اگلتا ٹریکٹر پھر تاریک رات کا سینہ چیرتا آگے بڑھنے لگا۔

عقبی حصے میں ہتھ گاڑی تھی۔ اس پر میلوڈین لدا تھا۔ فرانسس' ڈولورز اور گرٹروڈ میلوڈین کو لپٹائے بیٹھی تھیں۔ اگنس نے یہ میرا پہلا ہی حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کیب میں چڑھ گئی تھی اور آرگن کے بینچ پر میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ اگر وہ لڑکا ہوتی تو میں اس کی اتنی مرمت کرتا کہ وہ تابع داری پر مجبور ہو جاتی مگر وہ لڑکی تھی.... اور مجھ سے لمبی بھی اور بھاری بھی تھی اور وہ تھی بھی آٹھویں جماعت میں۔ چنانچہ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور خود کو یہ تسلی دیتا رہا کہ میں نے اس پر رحم کھا کر ایسا کیا ہے۔ وہ طبعاً" تھی ہی ایسی بدتمیز کہ اپنی فطرت سے مجبور تھی۔

میں اس کے بارے میں بری بری باتیں نہایت ہمدردی سے سوچتا رہا۔ اس کے ہاتھوں پر خشکی کی تہ تھی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا اور اگنس اسٹیکیل جیسا نام بھی اس نے خود نہیں رکھا تھا۔ اب تو اسے اسی نام کے ساتھ مرتے دم تک جینا تھا اور یہ طے تھا کہ اس بے چاری کی کبھی شادی نہیں ہو گی۔ ہر اعتبار سے وہ ہمدردی کی مستحق تھی۔ اور سب سے قابل رحم بات یہ تھی کہ وہ مجھ پر مرمٹی تھی۔ یہ ایک بے سود عشق تھا کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دنیا سے رخصت ہوں گا تو اپنے پیچھے بے شمار ٹوٹے پھوٹے دل چھوڑ کر جاؤں گا۔

اب سڑک چوڑی تھی۔ ہم داہنی جانب مڑے تو ہتھ گاڑی نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا۔ اب راستے میں کوئی پہاڑی نہیں تھی اور فاصلہ بمشکل دو میل کا تھا۔

سلنڈر پوری طرح گرم تھے اور میں شاید اونگھ گیا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں ایک نہایت جسیم اور خوب صورت مشکی گھوڑے پر سواری کر رہا ہوں اور میرا رخ اسٹرابری کے باغات کی طرف ہے۔ میں نے نیلا لباس پہنا ہوا تھا۔ میں زبردست اور خوب

صورت جوان نائٹ تھا۔ مجھے اپنے پرچم کی لاج رکھنی تھی۔ ملک کا وقار بلند کرنا تھا۔ غلاموں کو آزاد کرانا تھا۔ میں خواب دیکھ رہا تھا۔ خواب میں میری بیوی سارہ بھی تھی۔ اس کے لکھے ہوئے خط میری جیب میں موجود تھے۔ وہ کتنی حوصلے والی تھی۔ اس نے مجھے جنگ پر جانے کے لئے کیسی بہادری سے رخصت کیا تھا۔ اس نے مجھے بیٹے کے متعلق بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ میرے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ بعد میں اس نے مجھے خط لکھ کر اس کے متعلق بتایا تھا۔ اس کا نام اس نے منصر رکھا تھا۔ میلوڈین وہ بجاتی تھی اور میرے بیٹے کو بھی سکھا رہی تھی۔ میں اسے اور اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے تڑپتا تھا۔ میں اپنے بیٹے کی دھنیں سننا چاہتا تھا۔ اسے میلوڈین بجاتے دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اسی روز دشمن کی گولی میرے سینے میں اتر جائے گی۔ میں اس سے بے خبر، اپنے گھوڑے پر سوار بڑھتا جا رہا تھا۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑ کر زور زور سے ہلا رہا ہے پھر ایک زہریلی آواز سنائی دی۔ ”او گدھے، ٹریکٹر کو سڑک سے نیچے کیوں اتار رہے ہو۔ ڈفر۔“

میں یوں اچھل کر جاگا کہ میرا سر کیب کی چھت سے ٹکرا گیا۔ اگنس کی بانہوں نے مجھے جکڑا ہوا تھا اور ٹریکٹر ایک خود مختار عفریت کی طرح دائیں جانب جھکتا جا رہا تھا۔

میں نے جلدی سے وھیل گھمایا اور ٹریکٹر کو بائیں جانب لایا۔ ٹریکٹر کو سڑک پر لا کر میں نے سکون کی سانس لی کہ مجھے اگنس کے پنجوں سے رہائی ملی مگر اسی لمحے ایک اور افتاد آ پڑی۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دراصل برف باری اچانک ہی اور تیز ہو گئی تھی۔ لالٹینوں کی روشنی اس کی وجہ سے بالکل ناکافی ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے تھروٹل کو پیچھے کھینچا اور ہینڈ بریک بھی استعمال کیا۔ ٹریکٹر رک گیا۔

”کیا مصیبت ہے؟“ اگنس غرائی۔

میں نے دونوں لالٹینیں بکس سے اتاریں اور اس کی طرف بڑھائیں۔ ”نیچے اترو۔“ میں نے چیخ کر کہا۔ ”تم اور فرانس انہیں لے کر آگے آگے چلو تا کہ مجھے سڑک کا پتا چلتا رہے۔“

”اور تم ہم پر سے ٹریکٹر گزار دو۔ یہ تو کسی قیمت پر نہیں ہو گا۔“ اگنس نے ٹکا سا جواب دیا۔

”تمہیں اپنی ماں کی بات یاد نہیں؟“

”مما یہاں موجود نہیں ہیں۔“

”اور تمہیں کرسمس کا جو مطلب سمجھایا گیا تھا؟“

”سب فضول بات ہے۔ عمل کے وقت پتہ چلتا ہے۔“

میں پریشان ہو گیا۔ میں نے اخلاق، قانون، مذہب اور جذبات.... سب کچھ آزما دیکھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اب ایک فریب کا ہی حربہ رہ گیا تھا۔ با دل نخواستہ میں نے وہ بھی آزما ڈالا۔ ”دیکھو اگنس، تم مجھے پسند کرتی ہو۔ تردید مت کرو۔ میں جانتا ہوں اور اور میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں۔ اگر تم اس وقت تعاون کرو تو اور زیادہ پسند کرنے لگوں گا۔“

”کتنا زیادہ؟“ اس نے پرچون کی دکان کھول لی۔

اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ حضرت آدمؑ نے بھوک سے مجبور ہو کر ممنوعہ پھل نہیں کھایا تھا بلکہ وہ خود کو پاگل ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ ”بہت زیادہ۔ اتنا زیادہ کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اتنا زیادہ کہ دنیا میں کسی نے کسی کو اتنا پسند نہیں کیا ہو گا۔ بس حد ہو جائے گی پسندیدگی کی۔“ میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اگنس نے کیب سے چھلانگ لگا دی اور پیچھے سے فرانس کو بھی اتار لیا۔ دونوں نے ایک ایک لالٹین لی اور اپنے درمیان ٹریکٹر کی چوڑائی جتنا فاصلہ رکھ کر آگے آگے چلنے لگیں۔ میں نے ہینڈ بریک کو آزاد کیا اور چیخ کر کہا۔ ”لالٹینیں اوپر کرو۔“

آخری ایک میل کا فاصلہ ہم نے اس طرح طے کیا۔ چھوٹی دو لڑکیاں آرگن کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ بڑی دونوں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا احسان مند تھا۔ بے انصافی تو نہیں کی جا سکتی۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کم از کم دس درجے نیچے تھا۔ ایسے میں ان بے چاریوں کا کیا حال ہو گا اور کہیں برف اتنی گہری تھی کہ اگنس اور فرانس لڑکھڑا جاتیں۔ ان کی رفتار کم ہو جاتی۔ وہ رک،

بھی جاتیں.... اور مجھے ٹریکٹر روکنا پڑتا پھر وہ اس دشوار حصے سے گزر کر مجھے اشارہ کرتیں اور میں ان کی لالٹینوں کی زرد روشنی کے اشارے پر آگے بڑھتا۔

کیٹی دیکھتی تو اپنی بیٹیوں پر بجا طور پر فخر کرتی۔ سردی، اندھیرے میں اور دشوار راستے پر دو میل فی گھنٹا کی رفتار سے برف پر بھاگتے ہوئے وہ کرسمس کی روح کو صحیح معنوں میں سمجھ رہی تھیں۔ یہ الگ بات کہ اگنس کو تحرک روحانیت نے نہیں، رومان نے فراہم کیا تھا۔

یہ وہ سڑک تھی، جس پر روز چل کر ہم اسکول جاتے تھے۔ جب کارنر آ گیا۔ چرچ کے عقب میں عیسائیوں کا قبرستان تھا اور اس کے پیچھے اسکول کی عمارت تھی۔ لالٹینوں کے پیچھے چلتے، وھیل گھماتے میں نے ٹریکٹر کو سڑک پر سے اتارا اور نیم دائرے میں سفر کرتا دو بڑے درختوں کی طرف چلا کیونکہ وہ جگہ بلندی پر تھی اور چرچ کے قدمچے بھی وہاں سے قریب تھے۔

ٹریکٹر روکنے کے بعد ایک لمحہ میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ہم کامیاب ہو گئے تھے۔ میں نے ہینڈ بریک سیٹ کیا، انجن کو رننگ کنڈیشن میں چھوڑا اور نیچے اتر آیا۔ میں نے بینچ اتاری اور اسے ستواں چھت کے نیچے رکھ دیا۔

اب میں ہتھ گاڑی کی طرف متوجہ ہوا۔ ڈولورز اور گرٹروڈ نے آرگن سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ اگنس اور فرانسس پیچھے سے ہانپتی ہوئی آ رہی تھیں.... میں نے انہیں دور رہنے کو کہا اور میلوڈین کو رسیوں کی بندش سے آزاد کر دیا۔ میں نے چرچ کی سیڑھیوں پر تختے اس حساب سے بچھائے کہ میلوڈین کے پہیے ان پر آ جائیں۔

پھر میں نے لڑکیوں کو پکارا۔ "سنو بھئی، تم لوگوں نے زبردست کام کیا ہے۔ اب غور سے سنو۔ ایک مرحلہ اور ہے۔ میلوڈین کو چڑھانے کے لئے ایک طرف سے اٹھانا ضروری ہے پھر دوسری طرف سے اٹھا کر تختوں پر رکھنا اور اس کے بعد نیچے سے دھکیلنا ہے۔"

"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" ڈولورز نے اعلان کیا۔

"میں سردی سے ٹھٹھر گئی ہوں۔" یہ فرانسس تھی۔

"یہ ہمارے بس کی بات نہیں" اگنس نے کہا۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" ننھی گرٹروڈ بولی۔

"ابھی چلی جاؤ گی۔" میں نے کہا اور میلوڈین کی طرف بڑھا۔ اس پر ڈھکے ہوئے کمبلوں پر بہت برف جمع تھی۔ میں نے اسے جھاڑ کر بوجھ ہلکا کیا۔ "اب آ جاؤ جلدی سے۔ شاباش، اسے یہاں سے پکڑو۔"

میں کنارہ پکڑے کھڑا تھا۔ وہ بڑی بے دلی سے وہاں جمع ہوئیں۔ "پکڑو.... اور اٹھاؤ۔" میں نے کہا۔

میں نے زور لگایا۔ ایک لمحے بعد ان کا زور بھی شامل ہوا۔ میلوڈین تختوں پر لٹکا دیا گیا۔

میں سیدھا کھڑا ہوا۔ "اب ایک طرف سے دھکیلنا اور ایک طرف سے اٹھانا ہے۔" میں نے کہا۔ "گرٹروڈ، تمہیں دیکھنا اور خیال رکھنا ہے کہ آرگن تختوں سے نیچے نہ کھسکے اور تم تینوں اسے اٹھا کر اوپر دھکیلو۔"

اس مرحلے پر میلوڈین بالکل سیٹ کر دیا گیا۔ اب اوپر چڑھانے کا دشوار مرحلہ سامنے تھا۔

ہم زور لگاتے رہے لیکن سیڑھیوں کی اونچائی کی وجہ سے زاویہ بہت خطرناک تھا۔ ہم اس حد تک میلوڈین کو اٹھا نہیں پا رہے تھے۔ ڈھائی سو پاؤنڈ وزن کو بیک وقت اونچائی تک اٹھانا اور پھر اوپر دھکیلنا ناممکن ثابت ہو رہا تھا۔

میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ "اب اٹھاؤ۔"

لیکن ہم ناکام رہے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہماری اجتماعی ناکامی کا بوجھ بھی مجھ پر آ پڑا۔ میں اٹھ نہیں سکا۔ میں اور نانا.... اور بعد میں یہ چاروں لڑکیاں بے شمار دشواریوں سے گزر کر میلوڈین کو چھ میل دور چرچ تک تو لے آئے تھے لیکن سیڑھیوں سے چرچ کے دروازے تک چھ فٹ کا فاصلہ مسئلہ بن گیا تھا۔ کیا اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی میں نانی کو یہ منہ مانگی خوشی نہیں دے سکوں گا۔ میری آنکھیں جلنے لگیں۔

تین چار بار اور کوشش کرنے کے بعد میں نے جان لیا کہ یہ کام میرے اور ان چار لڑکیوں کے بس کا نہیں۔

میں پسینے میں نہا گیا تھا۔ میری کمر دکھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جلتے ہوئے آنسو میرے رخساروں پر بہتے رہے۔ مجھے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ میں دانتوں سے اپنے ناخن کاٹنے لگا۔ عجیب بے بسی تھی جو مجھے اندر سے کاٹے ڈال رہی تھی۔

میں پیچھے ہٹا اور اپنے جسم کے بوجھ سے میلوڈین پر زور لگایا۔ "لڑکیاں..... یہ لڑکیاں....." میں نے غصے سے کہا "کاش میرے ساتھ کوئی مرد ہوتا تو یہ کام پورا ہو جاتا۔ مگر میرے ساتھ کمزور اور ناکارہ لڑکیاں ہیں' جو کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔"

یہ سن کر اگنس رونے لگی۔ اسے دیکھ کر فرانسس کو بھی رونا آ گیا اور پھر ان سب نے بالترتیب رونا شروع کر دیا۔

تو یہ تھے ہم سب اس وقت..... طوفانی رات کے' بدحالی کے زمانے کے کرسمس کے بچے! اور ہم سب رو رہے تھے ہم سوچ رہے تھے کہ یہ خواب ہے..... اور ابھی آنکھ کھل جائے گی۔

اچانک برف باری تھم گئی!

ہوا بھی رک گئی تھی۔ ہم لالٹینوں کی روشنی میں کھڑے تھے۔ ٹریکٹر کے انجن کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

اچانک ہمارا رونا بھی موقوف ہو گیا۔ ابتدا میں وہ بہت دور سے آتی ہوئی موہوم سی آواز تھی' جسے برف نے اور دبا دیا تھا۔ وہ جنوب سے آ رہی تھی اور اس میں شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز تھی۔

ہم جنوب کی طرف دیکھنے لگے' آواز بتدریج بلند ہو رہی تھی اور قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

○

اندھیرے میں وہ بالکل اچانک ہی ہمارے سامنے آیا۔ وہ سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کا جسم بہت بڑے کوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ سر پر ٹوپی بھی تھی۔ درخت کے قریب پہنچ کر گھڑ سوار گھوڑے سے اترا۔ اس نے باگیں درخت کی شاخ سے باندھیں اور اپنا کوٹ اتار کر گھوڑے کی زین پر ڈال دیا۔ پھر وہ ٹریکٹر کی طرف بڑھا اور نیچے کی طرف

ہاتھ بڑھایا۔ ٹریکٹر کا انجن خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ باوقار انداز میں قدم بڑھاتا ہوا ہماری طرف آیا۔

لالٹین کی زرد روشنی کے حلقے میں وہ آیا تو ہم نے اسے اچھی طرح دیکھا۔ وہ ایک دراز قامت جوان تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے بالوں کی داڑھی تھی' جس کی وجہ سے وہ بزرگ ہونے کا تاثر چھوڑتا تھا۔ اس کے جسم پر نیلی وردی تھی..... توپ خانے کی۔ اس کی بیلٹ سے بائیں طرف سنگین والی بندوق لٹک رہی تھی۔ دائیں جانب ایک ریوالور لٹکا ہوا تھا۔

ہم پانچوں کے سامنے وہ دیو لگ رہا تھا۔ لڑکیاں اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹوپی کے کنارے کو چھوتے ہوئے کہا۔ "گڈ ایوننگ لڑکیو!" پھر اس نے فوجیوں کے سے انداز میں میرا معائنہ کیا۔ میں بدن چرانے لگا۔ "خوب..... بہت خوب!" اس نے آہستہ سے کہا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا تاثر چھوڑوں گا مگر مجھے بہرحال اپنے ماتحتوں کے لئے ایک اچھی مثال قائم کرنا تھی۔ "آپ کو ٹریکٹر بند نہیں کرنا چاہئے تھا۔" میں نے گھڑ سوار سے کہا۔ "اب اسے دوبارہ اسٹارٹ کرنا مشکل ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بعد میں دیکھا جائے گا بیٹے!" اس نے اپنے ہاتھوں کو باہم رگڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں لڑکیوں کو برا بھلا کہنے کے بجائے یہ میلوڈین اندر پہنچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ تم وہاں اوپر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھتے رہو کہ پہئے تختوں سے نیچے نہ اترنے پائیں۔"

وہ صریحاً حکم تھا۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔ گھڑ سوار جھکا۔ اس نے میلوڈین کو اوپر اٹھایا..... اتنا اوپر کہ کندھے پر رکھ لیا پھر جو اس نے زور لگایا تو ایک ہی بار میں میلوڈین اوپر پہنچ گیا۔

"دروازہ کھولو۔" گھڑ سوار نے مجھ سے کہا۔ "اور لڑکیو' تم لالٹینیں اٹھاؤ۔"

میں نے دروازہ کھولا مگر چاروں لڑکیاں بت بن کر رہ گئی تھیں۔ دونوں لالٹینیں مجھے ہی اٹھا کر لانی پڑیں۔ گھڑ سوار نے میلوڈین اٹھا کر اسے دروازے کی اونچی چوکھٹ سے گزارا اور پھر اسے بینچوں کے درمیان سے گزارتا قربان گاہ کی طرف لے جانے لگا۔ میں اسے روشنی دکھا رہا تھا۔

"کہاں رکھا جائے اسے؟" گھڑ سوار نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے' وہاں ٹھیک رہے گا۔" میں نے اشارہ کیا۔

میں بینچ اٹھا کر لانے کے لئے باہر گیا اور لڑکیوں سے پھنکار کر کہا۔ "اندر چل کر مدد کرو نا۔"

مگر وہ ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی تھیں۔ ان پر لرزہ چڑھا ہوا تھا۔ ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اگنس نے بمشکل کہا۔ "بھ.... بھوت.....بھوت...."

"دماغ خراب ہے۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "وہ بھوت نہیں۔"

"تو پھر کیا ہے؟"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ اندر چلو' کچھ کام بھی کرو۔"

بڑی مشکل سے وہ چرچ میں گھسنے پر آمادہ ہوئیں۔ میں نے دراوزہ بند کیا اور انہیں گھیر کر قربان گاہ کی طرف لے چلا لیکن وہ اجنبی گھڑ سوار کے قریب بھی نہیں گئیں۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر تھرتھراتی رہیں۔

گھڑ سوار نے میلوڈین پر ڈھکے ہوئے کمبل ہٹا دیئے۔ میں نے میلوڈین کی بینچ لے جا کر اس کی جگہ پر رکھ دی۔

گھڑ سوار میلوڈین کا معائنہ کر رہا تھا۔ "واہ.... شاندار۔ بالکل نئے جیسا.... اور زندگی جیسا بڑا۔ بہت خوب صورت ہے۔ ہے نا لڑکے۔"

"یس سر!" میں نے کہا۔

"ذرا دیکھیں تو۔ کیا میرا نوٹ اب بھی وہیں موجود ہے؟" اس نے کی بورڈ کے ٹاپ کو فولڈ کر دیا پھر لالٹین اٹھائی اور جھک کر کیبنٹ میں جھانکنے لگا۔ "حیرت ہے' وہ وہیں موجود ہے۔"

"کیسا نوٹ؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جو میں نے لکھ کر اس میں ٹھونس دیا تھا۔ یہ دیکھو نا۔"

میں اس کے پاس گیا اور کیبنٹ میں جھانکا۔ ایک سائیڈ میں ایک زرد کاغذ تھا.... کھلا ہوا.... جسے چپکا دیا گیا تھا۔ اس پر لکھے حروف براؤن پڑ گئے تھے لیکن اب بھی

صاف پڑھے جا رہے تھے۔ لکھا تھا.... عزیز از جان سارہ کے لئے تنہائی سے بچانے کے لئے۔

"پتا نہیں' سارہ کو یہ کبھی ملا بھی یا نہیں؟" گھڑ سوار نے کہا پھر میری طرف مڑا "تمہیں معلوم ہے؟"

"نہیں جناب!"

اس نے لالٹین نیچے رکھ دی اور بینچ پر بیٹھ گیا۔ "مجھے وہ دن خوب یاد ہے' جیسے کل ہی کی بات ہو۔ میں نے ایک گائے اور دس بھینسوں کے بدلے یہ میلوڈین لیا تھا۔ نقد رقم اس کے علاوہ تھی مگر اس کے لئے میں کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا تھا۔ میں تو اسے چھو بھی نہیں سکا مگر یہ میرا نمائندہ تھا.... میرا ترجمان۔"

ہم سب خاموش تھے.... میں بھی اور لڑکیاں بھی۔ گھڑ سوار میلوڈین کی بینچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ میں نے چرچ کا جائزہ لیا۔ اس کی ہر چیز علاقے کی غربت اور پسماندگی کی غمازی کرتی تھی مگر وہاں رکھا ہوا وہ میلوڈین نہایت پر شکوہ لگ رہا تھا۔ لالٹینوں کی روشنی میں اس کی لکڑی جو کہ چیری کے درخت کی تھی' خوب چمک رہی تھی۔ اس کے میوزک ریک پر جو نقشین کام تھا' وہ بلاشبہ فن کا نمونہ تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ جیسے میلوڈین بنایا ہی اسی چرچ کے لئے گیا تھا۔ نانی نے ٹھیک ہی سوچا تھا۔

"آپ کی داڑھی اصلی ہے؟" گرٹروڈ کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

بینچ پر بیٹھے شخص نے سر گھما کر دیکھا۔ "بالکل اصلی ہے بیٹا۔ تم ایسا کرو' میری گود میں آ کر بیٹھو اور داڑھی کو کھینچ کر دیکھو' خود پتہ چل جائے گا۔"

گرٹروڈ ہچکچائی' "آپ سانتا کلاز ہیں؟"

"ہو بھی سکتا ہوں۔" گھڑ سوار مسکرایا۔

گرٹروڈ اسے شبے کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "لیکن سانتا کلاز ریڈ سوٹ پہنتا اور رینڈیئرز کی گاڑی میں سواری کرتا ہے۔" اس نے معترضانہ انداز میں کہا۔

"کبھی کبھی۔"

"اور وہ موٹا اور خوش مزاج ہے جبکہ آپ ایسے نہیں ہیں۔"

"بے شک لیکن سانتا کے بے شمار حلئے اور بے شمار لباس ہوتے ہوں گے۔ میرا تو یہی خیال ہے۔"

"خیر۔" گرٹروڈ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ بے تکلف ہونے کے چکر میں تھی۔

"بات یہ ہے کہ میں نے گڑیا مانگی تھی..... اور آپ نے مجھے تھما دیئے جوتے۔"

"اوہ..... سوری مس مگر وہ جوتے اتنے اچھے ہیں..... اور میں ایک ایسی رجمنٹ سے واقف ہوں جو بخوشی تمہارے جوتوں کے بدلے بہت کچھ دے سکتا ہے۔"

مگر گرٹروڈ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ "ٹھیک ہے۔ اگلے کرسمس پر مجھے گڑیا چاہئے..... اور وہ بھی آنکھیں بند کرنے اور کھولنے والی۔"

"تمہیں اچھی لڑکی بن کر رہنا ہو گا۔"

"میں ہمیشہ سے اچھی بچی ہوں۔"

"بس تو میں سوچوں گا۔" گھڑسوار نے وعدہ کیا پھر پلٹتے ہوئے کی بورڈ کا ٹاپ اٹھایا اور بٹنوں پر انگلیاں لہرائیں۔ "کاش..... مجھے سارہ کو اسے بجاتے دیکھنے کا موقع ملا ہوتا۔ کاش میں نے ننھے منصر کو دیکھا اور سنا ہوتا۔" وہ چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا پھر جوشیلے انداز میں اٹھا اور اپنی ہتھیلی پر گھونسا مارا۔ "ایک بات سمجھ میں آئی ہے حارث بیٹے۔" مجھے اس پر حیرت نہیں ہوئی کہ وہ میرا نام جانتا ہے۔ وہ سب کے نام جانتا تھا۔ میں توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔ "سنو بیٹے' کل تم میرے منصر کو مجبور کرنا کہ وہ میلوڈین کو بجائے..... وہ گانا جو وہ میرے گھر آنے پر میرے لئے گانا چاہتا تھا' تاکہ میں اسے سن لوں۔" گھڑسوار نے میری ٹھوڑی پکڑ لی۔ "پلیز....."

میرے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ دانت بھنچ گئے۔ میں نے بڑی مشکل سے کہا۔

"وہ نہیں گائیں گے جناب؟"

اس نے میری ٹھوڑی چھوڑ دی۔ "نہیں گائے گا؟ کیوں نہیں گائے گا؟"

"انھوں نے کبھی وہ گانا نہیں گایا۔ جس روز انہیں پتہ چلا کہ آپ واپس نہیں آئیں گے' اس کے بعد انہوں نے کبھی میلوڈین نہیں بجایا۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے مگر وجہ نہیں معلوم۔"

اب یہ سب کچھ کہنا بہت مشکل تھا۔ رات نانا سے جو بھیڑوں کے شیڈ میں گفتگو

ہوئی تھی' میں اسے لفظ بہ لفظ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں نے ان سے وجہ پوچھی تھی۔ انہوں نے کہا..... کیونکہ میرے پاپا اب کبھی نہیں سن سکیں گے۔ وہ مجھے دیکھ سکیں گے' نہ میں انہیں دیکھ سکوں گا۔"

گھڑسوار کی آنکھوں سے اذیت جھانکنے لگی۔ اس وقت میں نے پہلی بار غور کیا کہ اس کی رنگت راکھ جیسی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی تھی اور وہ کتنا تھکا ہوا اور مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔ "اوہ۔" بالآخر اس نے کہا۔ "منصر نہیں جانتا مگر یہ سچ ہے کہ میں اسے سن سکتا تھا لیکن وہ تو چپ سادھ کر بیٹھ گیا۔ خیر' کل اگر وہ میلوڈین بجائے اور گیت گائے تو میں ضرور سنوں گا۔ حارث..... میرے بچے' تم اسے راضی کر لینا۔"

وہ مجھ سے ناممکن کو ممکن بنانے کو کہہ رہا تھا۔ 'کیسے کروں؟ وہ بہت ضدی ہیں۔' میں نے چند لمحے سوچا پھر پوچھا۔ "اچھا' میں انہیں آپ کے بارے میں بتا سکتا ہوں؟ اجازت ہے؟"

"ارے نہیں..." اس نے جلدی سے کہا پھر لڑکیوں کو اور ان کے بعد مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ کام ہے جو تمہیں نہیں کرنا ہے۔ تم میں سے کسی کو بھی نہیں۔ سمجھ میں آیا کچھ؟ کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔ ویسے تو کوئی یقین کرے گا بھی نہیں۔ کیونکہ عمر جیسے جیسے بڑھتی ہے' آدمی اتنا ہی مادی اور بے عقیدہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کسی کو مت بتانا کچھ۔"

"میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔" گرٹروڈ بولی۔

گھڑسوار نے اسے سختی کی نظر سے دیکھا' پھر اس کی بہنوں کو اور آخر میں مجھے۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو پہلے سے زیادہ اونچا لگ رہا تھا..... جیسے دیو ہو۔ "ایک آواز نکال کر دیکھو۔ مجھے جس دن موقع ملے گا' چپکے سے پکڑ لوں گا اور سارے دانت توڑ کر اور کان کاٹ کر لے جاؤں گا۔"

ہم سب نے جان لیا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ حد یہ کہ گرٹروڈ بھی سہم گئی تھی۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ اس کی دھمکی کام کر گئی ہے' اس کے چہرے پر نرمی بکھر گئی۔ "حارث بیٹے! اس وقت تو تم سب کو بستر میں ہونا چاہئے۔" اس نے بے حد محبت سے کہا۔ "اور کل کی فکر کرو۔ آج رات میں نے ضرورت کے وقت تمہیں سہارا دیا

ہے۔ کل تم اس کے بدلے مجھے میرا پسندیدہ گیت سنواؤ' جس کا میں کب سے منتظر ہوں۔ حساب برابر ہو جائے گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا جناب۔" میں نے کہا۔ "بہت سچی کوشش۔"

"پیارے لڑکے ہو تم اور میرا خون ہو اس لئے میں تم پر اعتبار کروں گا۔ چلو بچو' اب گھر کی فکر کرو۔ لالٹینیں اٹھاؤ۔"

ایک لالٹین میں نے اٹھالی اور دوسری اگنس کو دے دی پھر ہم آگے آگے چلے' دروازے سے گزرے اور سیڑھیوں پر پہنچ گئے۔ گھڑ سوار سب سے آخر میں نکلا اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

باہر رات ویسی ہی پرسکون تھی جیسا ہم اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ ہوا کے جھکڑوں اور برف باری کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ درخت سے بندھا ہوا گھوڑا اپنے مالک کو دیکھ کر ہنہنانے لگا۔

گھڑ سوار گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ "تم سب یہاں آؤ..... میرے پاس۔" اس نے پکارا۔ ہم قریب گئے تو اس نے ہم پانچوں کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر ایک دائرہ سا بنا دیا۔ "میرے بچو! بہادر ہونے کے لئے فوجی ہونا ضروری نہیں۔ تم لوگوں نے آج رات جو کچھ کیا ہے' میں اسے کمال بہادری کہوں گا۔ میں نے زندگی میں بہادری کی ایسی کوئی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی اور سنو' میں تم میں سے ہر ایک کا شکر گزار ہوں۔"

"یو آر ویل کم۔" گرٹروڈ بولی۔

اب وہ جا رہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ پوچھنے کا یہ آخری موقع ہے۔ "وہ جنگ' کہتے ہیں بہت خوفناک تھی؟"

اس نے اثبات میں سرہلایا۔ "اس میں کوئی شک نہیں۔"

"اور وقعت کے اعتبار سے..."

"اپنے وطن کے لئے جنگ لڑی جائے تو اس کی وقعت کا حساب نہیں۔ بس سوچتا ہوں' کاش ہر جنگ جہاد ہوتی۔ تمہیں موقع ملے تو جہاد ضرور کرنا۔ اس میں نفع ہی نفع ہوتا ہے۔ زندہ تو غازی' مرے تو شہید۔"

"جی ہاں جناب۔"

"خدا کی رحمت تم پر سایہ فگن رہے۔ تمہیں جہاد ضرور نصیب ہو گا۔ بس میری بات کبھی بھولنا نہیں۔ اچھا بچو' گڈ نائٹ.... اور ہاں' کرسمس مبارک ہو۔"

ہماری جوابی مبارک باد سے پہلے وہ ٹریکٹر کی طرف بڑھا۔ اس کا ہینڈل تھامتے ہوئے فلائی وھیل کو اس نے پوری قوت سے چکر دیا۔ اگلے ہی لمحے انجن جاگ اٹھا' دھواں اور آواز اگلنے لگا۔ گھڑ سوار نے اپنی ٹوپی کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے سر تھوڑا سا خم کیا پھر اس نے کاٹھی پر رکھا ہوا اپنا کوٹ پہنا' گھوڑے کو کھولا اور اس پر بیٹھ کر ایڑ لگا دی۔ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا۔

ہم پانچوں ساکت و صامت وہیں کھڑے اس سمت دیکھتے رہے' جدھر وہ گیا تھا پھر ٹاپوں کی آواز بھی مدھم ہو گئی اور ٹریکٹر کے انجن کی آواز رہ گئی۔

○

ہم ٹریکٹر پر بیٹھ کر واپس جا رہے تھے۔ اس بار کوئی دشواری راستہ نہیں روک رہی تھی۔ اچانک اگنس میرے کان میں چلائی۔ "کون تھا وہ؟"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ تمہارے نام سے واقف تھا اور تم بھی اسے جانتے تھے۔"

میں نے ظاہر کیا کہ ٹریکٹر کے شور میں کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔

"میں اپنے پاپا کو بتا دوں گی۔"

اب مجبوری تھی۔ یہ بات میں کیسے نہ سنتا۔ "اگنس' ایسا نہ کرنا اس کی دھمکی یاد نہیں۔" میں نے اسے ڈرایا۔

"وہ یونہی سی دھمکی تھی۔"

"اس نے کہا تھا' کسی سے کچھ نہ کہنا۔" میں نے دہاڑ کر کہا۔ "اگر تم نے کسی سے کچھ کہا تو میں تم سے نفرت کرنے لگوں گا۔"

میری دھمکی سن کر اس کے ہونٹ سل گئے۔ اب میں سکون سے ٹریکٹر چلا سکتا تھا۔ راستہ آسان تھا۔ موسم کی سختی بھی دور ہو چکی تھی۔ میں اس سفر کو انجوائے کر رہا تھا۔

اگنس کا گھر دور سے جگمگاتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی ماں نے کوئی روشنی بجھی نہیں

رہنے دی تھی۔ میرے ٹریکٹر روکتے ہی لڑکیاں اچھل کر اتریں۔ میرے نانا کیٹی کے ساتھ سڑک پر ہی کھڑے ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ کیٹی نے اپنی بیٹیوں کو یوں لپٹا لیا‘ جیسے اسے ان کی واپسی کی کوئی امید ہی نہیں رہی ہو۔ ”خدا تمہیں خوش رکھے حارث۔ صبح ملاقات ہو گی۔ کرسمس مبارک۔“ اس نے اپنی بچیوں کو گھیر کر گھر کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

میں نے الوداعی انداز میں ہاتھ لہرایا۔

نانا ٹریکٹر پر چڑھ آئے مگر میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ میں نے تھروٹل اٹھایا‘ لیور کو اوپر کیا اور ٹریکٹر کو ایسا زبردست اسٹارٹ دیا کہ نانا کو سنبھلنے کے لئے چھت کا سرا پکڑنا پڑا پھر وہ ایک فینڈر پر بیٹھ گئے اور گھر پہنچنے تک مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان نظروں میں تعجب بھی تھا‘ ستائش بھی اور تشویش بھی۔

سفر میں کوئی پریشانی تو نہیں تھی۔ میں نانی کے بارے میں سوچتا رہا۔ صبح وہ چرچ میں داخل ہوں گی تو کیا کہیں گی؟ کتنی خوش ہوں گی پھر مجھے گھڑ سوار نانا کا خیال آیا۔ ان کی فرمائش میں کیسے پوری کروں؟ اپنے نانا کو میلوڈین بجانے پر کیسے رضامند کروں۔ جبکہ انہیں اس کو چھوئے ساٹھ سال سے بھی زیادہ ہو گئے پھر مجھے اپنے ڈیڈی اور ممی کا خیال آیا۔ ان سے فون پر بات کرنے کے بعد میں ان کے بارے میں سوچ تک نہیں سکا تھا۔ انہیں پتہ چلے گا کہ آج کی رات ان کے بیٹے نے کارنامہ انجام دیا ہے تو وہ کتنا فخر کریں گے پھر مجھے نانی کی سنائی ہوئی کہانی یاد آئی اور میں نے سوچا‘ وقار کی ایسی تیسی۔ میں تو طمانیت کی موٹی تازی‘ رس سے بھری نارنگی ضرور لوں گا۔ چاہے وہ وقار کے بدلے ملے۔

ہم گھر پہنچے۔ میں نے بڑی مہارت سے ٹریکٹر کو براہ راست اس کی جگہ لے جا کر روک دیا۔ نانا نیچے اترے اور انہوں نے انجن بند کر دیا۔ ٹریکٹر نے اپنی آخری فاتحانہ سانسیں لیں اور پھر خاموش ہو گیا۔

ہم نے ہتھ گاڑی کو نیچے اتارا اور اسے اس کی جگہ پر پہنچا دیا۔ رسیاں اور کمبل اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے۔ اب نانی دیکھتیں تو کہہ نہ سکتیں کہ گودام کی کوئی چیز بھی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے۔ گودام کے باہر ہم دونوں چند منٹ کھڑے سن گن لیتے رہے۔

”طوفان جان چھوڑ گیا۔“ بالآخر میرے نانا نے کہا۔

”جی ہاں۔“

”مگر بہت سردی ہے۔ منفی دس تو اب بھی ہو گا۔“

”جی.... کم از کم۔“ میں نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ ستارے ٹمٹما رہے تھے مگر وہ اتنے روشن نہیں لگ رہے تھے.... اور بہت زیادہ اوپر بھی دکھائی دے رہے تھے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں سو گیا۔“ نانا نے معذرت کی۔ ”نڈھال ہو گیا تھا میں۔“

”کوئی بات نہیں نانا۔“ میں نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

”تو تم نے میلوڈین چرچ میں پہنچا دیا۔“

”ہوا کی طرح.... پانی کی طرح۔“ میں گنگنایا۔

”تم نے ان لڑکیوں کی مدد سے اسے چرچ کے اندر پہنچا دیا۔“

”جی پکی بات ہے۔“

”مگر کیسے؟“

اب مجھے احتیاط سے کام لینا تھا۔ ”جیسے میں نے اور آپ نے اسے گھر سے نکالا تھا.... ہتھ گاڑی کی مدد سے۔“

”لیکن بچیوں کے لئے تو وہ بہت بھاری.... بہت بڑا تھا۔“ نانا کے لہجے میں حیرت در آئی۔

”ارے نانا‘ وہ بچیاں نہیں‘ بھینسیں ہیں بھینسیں۔“

”لڑکے‘ سچ بتاؤ۔ مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آتا۔“

”اچھا۔ صبح خود دیکھ لیجئے گا۔“

نانا اب مجھے بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں دور بہت دور‘ خلاؤں میں تاروں کو دیکھ رہا تھا‘ جو کبھی جلتے تھے‘ کبھی بجھتے تھے۔

”سنو! اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو میں آخرت میں بھی تمہارا شکرگزار رہوں گا۔“ نانا بولے۔

”مجھے خوشی ہوئی نانا۔“ میں نے بڑوں کے سے انداز میں کہا۔ ہم گھر کی طرف چل دیئے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔ ”نانا.... ایک نظر میمنے کو بھی دیکھ لیں

نا۔"

"تم کہتے ہو تو چلتے ہیں۔"

ہم بھیڑوں کے شیڈ میں پہنچے۔ بیشتر بھیڑیں سو رہی تھیں۔ شاید وہ ہری بھری چراگاہوں کے، موسم بہار کے اور بال اتارے جانے کے خوشگوار خواب دیکھ رہی ہوں گی لیکن بچہ دینے والی بھیڑ اور اس کا نر دونوں جاگ رہے تھے۔ بھیڑ کھڑی تھی اور اس کا میمنا دودھ پی رہا تھا۔ اس کی دم کی زندگی سے بھرپور حرکت اس کی خوشی کی غمازی کر رہی تھی۔

نانا نے اپنی مونچھ کے ایک کونے کو مروڑا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ان کے چہرے پر کتنی تھکن، کتنا بڑھاپا نظر آ رہا ہے۔ اگر ان کی داڑھی چوڑی ہوتی تو وہ "کسی" سے کتنا زیادہ مشابہ نظر آتے۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔" نانا بڑبڑائے۔ "یہ الگ بات ہے کہ کسی نے تمہاری مدد کی ہو۔"

ہم پھر برف پر سے گزرتے گھر کی طرف چل دیئے۔ ہم دونوں ہی نیند سے بوجھل ہو رہے تھے۔ بستر ہمارے انتظار میں سرد ہو چکا ہو گا مگر کوئی بات نہیں۔

O

میں صبح جلدی اٹھ گیا۔ عقبی صحن میں مرغیوں نے طوفان بدتمیزی برپا کیا ہوا تھا۔ ان کے شور نے مجھے جگا دیا۔ جاگتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ کرسمس کی صبح ہے اور ہمیں چرچ بھی جانا ہے اور مجھے نانا کو میلوڈین بجانے پر آمادہ کرنے کی کوئی ترکیب بھی سوچنی ہے۔

میں نے کپڑے بدلے اور نیچے چلا گیا۔ وہ ایک خوبصورت دن تھا.... سرد دن مگر دھوپ اور روشنی سے بھرا ہوا۔ میں کچن میں داخل ہوا۔ نانی اپنی عادت کے مطابق بیک وقت دو کاموں میں الجھی ہوئی تھیں۔ وہ ناشتا بھی بنا رہی تھیں اور ایک مرغی بھی صاف کر رہی تھیں۔ "کرسمس مبارک۔" میں نے چہک کر کہا۔

"تمہارے نانا نے کارنامہ انجام دے دیا۔" نانی نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"کارنامہ؟" میں بوکھلا گیا۔ "کیسا کارنامہ؟"

"ارے انہوں نے زندگی میں پہلی بار مرغی ذبح کر ڈالی۔ میں اس شخص کو ساری زندگی نہیں سمجھ سکوں گی۔"

"نانا ہیں کہاں؟"

"ضروری کام نمٹا رہے ہیں۔"

"اور آپ کو کیسی نیند آئی؟"

"نیند کیا، بے ہوشی تھی۔ پتہ نہیں رات مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ارے ہاں بیٹے، کرسمس مبارک ہو تمہیں۔"

نانا کچن میں داخل ہوئے۔ "سنو بھئی، سروس تو آج ہو گی۔ شاید کاڈویلز نے راستوں اور سڑکوں سے برف ہٹائی ہے۔" انہوں نے چپکے سے مجھے آنکھ ماری۔ "یا شاید قصبے کی انتظامیہ نے صفائی کرا دی ہے۔"

اگلے دو گھنٹے بڑی مصروفیت کے تھے اور نانا کے لئے آئیڈیل تھے کیونکہ نانی کو بھولے سے بھی پارلر میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ موقع ملتا تو میلوڈین وہاں موجود نہ پا کر وہ کچھ سمجھ جاتیں۔ بہرحال ہم نے بیٹھ کر ناشتا کیا پھر میں نے برتن دھوئے۔ نانی مرغیوں میں مسالا بھرتی رہیں پھر انہوں نے وہ روسٹ ہونے کے لئے اوون میں رکھ دیں۔

مسٹر اینڈ مسز کاڈویل اپنی سیڈان میں ہمیں چرچ لے جانے کے لئے آئے تو ہم سب تیار تھے۔ ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میں عقبی سیٹ پر خواتین کے ساتھ بیٹھا۔ نانا مرغی کی باسکٹ لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھے۔

راستے میں کہیں برف رکاوٹ نہیں بنی!

نانا کی درخواست پر گاڑی ہینشا کے مکان پر روکی گئی۔ جواد اور ابھی چرچ جا چکے تھے۔ نانا نے مرغی کی باسکٹ ان کے پورچ میں دروازے پر چھوڑ دی۔

ہم اسٹیکیل کے گھر کے سامنے سے گزرے اور کاؤنٹی روڈ پر پہنچ گئے۔ اب میرے پاس وقت کم تھا۔ بڑے نانا نے مجھے بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ میں دن کی روشنی میں سوچ اور کہہ سکتا تھا کہ بڑے نانا ہماری مدد کے لئے نہیں آئے تھے۔

کسی طرح میں نے اور لڑکیوں نے زور لگا کر میلوڈین کو اندر پہنچایا تھا۔ کم عمری میں

جھوٹ مختصر ترین راستہ ہوتا ہے لیکن سچ بلوغت کی طرف لے جاتا ہے اور سچ یہ تھا کہ اب چند منٹ بعد نانا کی فیملی کو جو عزت اور سرفرازی ملنے والی تھی' وہ صرف اور صرف اس مشکی گھوڑے پر سوار ہونے والے کے دم سے تھی۔ وہی اس عزت کا مستحق تھا اور اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو ساز بجاتے دیکھنا چاہتا تھا' اس کا گانا سننا چاہتا تھا۔ وہ بیٹا جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ گانا جو ایک ننھے لڑکے نے اپنے باپ کے استقبال کے لئے سوچا اور جوڑا تھا اور میں نے کہا تھا.... میں پوری کوشش کروں گا۔ سو اب مجھے کوشش کرنی تھی اور اس کے نتیجے میں' میں نانا کے غصے کا' گاؤں والوں کے مذاق اور تمسخر کا نشانہ بن سکتا تھا۔ مجھے عمر بھر کی شرمندگی بھی مل سکتی تھی۔

چرچ کے باہر گاڑیوں کی قطار دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ آج ہاؤس فل ہو گا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ ہم لیٹ پہنچے ہیں۔

ہم گاڑی سے اتر آئے۔ نانا نے دانستہ نانی کو الجھایا تاکہ ہم آخر میں داخل ہوں۔ مسٹر اور مسز کاڈویل چرچ میں چلے گئے۔ میں نانا کی بات سمجھ رہا تھا۔ وہ نانی کا دھیان بھٹکانا چاہتے تھے تاکہ سرپرائز ان کے لئے فل سرپرائز ہو۔ "ٹوکری میں کیا رکھا تھا تم نے؟" انہوں نے نانی سے پوچھا۔

"کچھ کھانے پینے کی چیزیں تھیں اور کیا ہوتا۔" نانی جھنجلا گئیں۔

"میں سمجھا...."

"چھوڑو فضول باتیں۔" نانی نے کہا اور قدم بڑھایا.... نانی کے پیچھے ہم دونوں چرچ میں داخل ہوئے۔

میں اپنی نانی کے چہرے کا تاثر لفظوں میں پوری طرح بیان نہیں کر سکوں گا۔ یہ کام ناممکن ہے مگر بیان تو مجھے کرنا ہے۔ نانی کو پچھلی بینچیں پڑوسیوں اور جاننے والوں سے بھری نظر آئی ہوں گی.... اور وہ سب نظریں جمائے انہی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ انہیں چرچ کو گرمی دیتا آہنی چولہا نظر آیا ہو گا۔ انہیں فادر گورین نظر آئے ہوں گے' جو انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے یہ سب دیکھا ہو گا مگر نہیں دیکھا ہو گا۔ وہ تو آرگن دیکھ کر بت بن گئی تھیں۔ کبھی وہ آرگن کو' کبھی نانا کو اور کبھی مجھے دیکھتی

تھیں۔ ان لمحوں میں ان کا بوڑھا چہرہ جوان لگنے لگا تھا۔ وہ جوان ہو گئی تھیں.... اور ان کا شوہر ان سے اظہار محبت کر رہا تھا۔

میں اور نانا آگے بڑھے اور نانی کو درمیان میں لے لیا۔ ہم انہیں ایک بینچ کی طرف لے گئے۔

فادر گورین کی آواز چرچ میں گونج اٹھی۔ "عبادت سے پہلے میں مسٹر اور مسز منصر امروک کا شکریہ ادا کروں گا' جنہوں نے بڑی محبت سے چرچ کو وہ میلوڈین تحفے میں عنایت کیا' جو 1869ء سے ان کی فیملی کے پاس ہے' جو ان کے لئے بزرگوں کی نشانی ہے۔ مجھے یقین ہے' سب لوگ اس تحفے کو سراہیں گے اور ان لوگوں کے اس احسان کو کبھی نہیں بھولیں گے اور انہیں ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ تحفے کی شکر گزاری کے علاوہ ہم سب منصر امروک اور ان کے نواسے حارث کے شکر گزار ہیں۔ جنہوں نے طوفانی رات میں اس میلوڈین کو اپنے ٹریکٹر پر لاد کر یہاں تک پہنچایا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ اسلام بڑا دین ہے اور مسلمان واقعی تمام اہل کتاب سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جذبہ ہی تھا کہ میلوڈین اتنے خراب موسم میں چھ میل دور لایا جا سکا ورنہ یہ کام عملاً ناممکن تھا...."

"فادر...." میرے نانا نے مداخلت کی۔

"یس مسٹر امروک؟"

"مجھے ضرورت سے زیادہ کریڈٹ نہ دیں۔" نانا بولے۔ "میں تو بس اسٹیکیل کے گھر تک ہی آ سکا تھا۔ ہمیں ٹریکٹر کو اسٹارٹ کرنے میں بڑی پریشانی ہوئی تھی اور اس سے پہلے مجھے ایک بھیڑ کو بچہ دینے میں مدد دینی پڑی تھی۔ چنانچہ میں نڈھال...."

"بھیڑ؟ بچہ؟" چارلی گریو نے چونک کر پوچھا۔

"اس موسم میں؟" یہ ایمٹ روچ تھا۔

"جی جناب۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی بھیڑ نے اس موسم میں بچہ دیا۔ مگر یہ سچ ہے۔ بہرحال میں نڈھال تھا۔ اسٹیکیل کے گھر میں' میں سو گیا۔ کیٹی نے اپنی بچیوں کو میرے حارث کے ساتھ بھیجا۔ باقی سب کام ان بچوں نے کیا۔"

اب سب لوگ ان چاروں بہنوں کو مسکراہٹوں سے نواز رہے تھے اور وہ شرمائے

جا رہی تھیں۔

"ہم ان بچیوں کے بھی شکرگزار ہیں۔" فادر گورین نے کہا۔ "اب مسز امروک، اگر آپ ہمیں آرگن پر کوئی افتتاحی دھن سنا دیں تو یہ ہمارے لئے بڑا اعزاز ہو گا۔"

"آئی ایم سوری فادر۔" نانی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "گٹھیا کی تکلیف نے میری انگلیوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ اب میں یہ آرگن بجا ہی نہیں سکتی۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔"

عبادت گزاروں کے مجمع سے ہمدردانہ آوازیں ابھریں اور ڈوب گئیں۔

"تب مسز امروک، مجھے افسوس ہے کہ....."

میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "فادر، میرے نانا کو آرگن بجانا آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اور میرے بڑے نانا ابراہیم کی خواہش ہے کہ نانا وہ گیت گائیں، جو انہوں نے سوچا تھا کہ ابراہیم کی واپسی پر گائیں گے۔"

چرچ میں خاموشی چھا گئی۔ اب میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ خواہ کتنی ہی تکلیف اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اس مسئلے کا کوئی اور حل تھا ہی نہیں۔ ایک بیٹے کی نظروں میں باپ کی حیثیت بحال کرنی تھی۔ بیٹے کو یقین دلانا تھا کہ باپ مرنے کے بعد بھی اس بیٹے کو نہیں بھولا ہے، جس کے وجود کا اسے اپنی زندگی میں علم بھی نہیں تھا۔ میں اپنے آپ میں بڑا ہو گیا تھا۔ میرے اسلاف میں سے دو بڑے میرے سامنے اور ایک دوسرے کے مدمقابل تھے اور وہ دونوں ہی بہت ضدی اور آسانی سے نہ ماننے والے تھے۔ "یہ ابراہیم کون ہیں؟"

"ابراہیم امروک، میرے بڑے نانا..... توپ خانے کے سپاہی۔ انہوں نے یہ میلوڈین سارہ کو اس وقت دیا تھا، جب وہ جنگ پر گئے تھے۔"

"سارہ؟"

"میری بڑی نانی۔ انہوں نے نانا کو میلوڈین بجانا سکھایا تھا، جب یہ بہت چھوٹے تھے لیکن جب ابراہیم کی موت کی خبر پہنچی تو میرے نانا نے میلوڈین بجانا چھوڑ دیا۔ کبھی بھی نہیں بجایا لیکن ان کے پاپا چاہتے ہیں کہ آج یہ میلوڈین بجائیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو حارث؟"

"انہوں نے خود مجھ سے کہا تھا۔"

"کب؟"

"کل رات کو جناب۔ یہیں..... اسی جگہ۔"

"اسی جگہ؟"

میں نے فادر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ نانا اور نانی کی طرف دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی ورنہ میں ڈھیر ہی ہو جاتا۔ "جی ہاں جناب۔" میں نے کہا۔ "سچ یہ ہے کہ میں اور یہ لڑکیاں پوری کوشش کے باوجود میلوڈین کو اندر نہیں لا پا رہے تھے۔ یہ بہت بھاری ہے۔ ایسے میں بڑے نانا گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور ہماری مدد کی۔ بعد میں انہوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں نانا کو وہ گیت گانے پر مجبور کروں، جو نانا نے ان کی واپسی پر ان کے استقبال کے لئے تیار کیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں کوشش کروں گا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم کسی کو ان کے متعلق نہ بتائیں کیونکہ کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا لیکن میں کیا کروں؟ نانا کو کسی اور طرح رضامند کر ہی نہیں سکتا۔"

آج بھی مجھے یقین نہیں آتا کہ میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا مگر یہ سچ ہے۔ میں تنہا کھڑا تھا۔ صرف اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ جو لوگ چرچ میں موجود ہیں، ان کے علاوہ بھی کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ "ممکن ہے، آپ مجھ پر یقین نہ کریں لیکن لڑکیوں سے پوچھ لیں۔" پھر میں ان کی طرف مڑا۔ "کیوں اگنس، وہ آئے تھے نا۔"

اگنس یوں بیٹھی رہی، جیسے میں اسے نظر ہی نہیں آ رہا ہوں۔

"فرانسس.....ڈولورز..... تمہی بتاؤ نا۔" میں نے اپیل کی۔

وہ بھی بت بنی بیٹھی رہی۔

"گرٹروڈ..... تم تو سچ بولو گی نا؟"

گرٹروڈ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "جی، میرا خیال ہے سانتا کلاز یہاں آیا تھا۔" وہ بولی۔ "اس کی داڑھی بھی تھی۔ اس نے نیلا سوٹ پہنا تھا، لال نہیں اور وہ کالے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔ اس کے پاس تحفوں کا تھیلا نہیں تھا، تلوار تھی اور وہ موٹا اور خوش مزاج بھی نہیں تھا۔ وہ اداس اور دبلا پتلا تھا اور میں نے اس سے جوتوں پر احتجاج کیا تو اس نے اگلے کرسمس پر مجھے گڑیا دینے کا وعدہ کیا۔" وہ اور بھی کچھ کہتی مگر کیٹی نے

کھینچ کر زبردستی اسے بٹھا دیا۔

فائدہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ حاضرین کو میری بات پر یقین نہیں آیا ہے۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں۔" میں نے چیخ کر کہا۔ میں فادر سے مخاطب تھا۔ "فادر.... آپ کی بورڈ کے ٹاپ کے اندر دیکھیں۔ وہاں آپ کو سارہ کے نام ابراہیم کا لکھا ہوا نوٹ ملے گا۔ یہ انہوں نے کل خود مجھے بتایا تھا۔ یہ نوٹ بورڈ پر چپکایا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ 'اپنی سارہ کے لئے' تنہائی کا ایک ساتھی'۔ میں سچ کہہ رہا ہوں جناب۔"

فادر گورین مجھے بہت غور سے دیکھ رہے تھے پھر وہ محتاط انداز میں میلوڈین کی طرف گئے۔ اس کے کی بورڈ کا ٹاپ اٹھایا' کیبنٹ کے اندر جھانکا' اپنی عینک درست کی اور دوبارہ اندر جھانکا پھر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ "نوٹ موجود ہے۔" انہوں نے کہا۔ "اور اس کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ مسٹر امروک' آپ کو اس نوٹ کی موجودگی کا علم تھا؟"

سب ہمہ تن سماعت بن گئے۔ "نہیں فادر۔" نانی کی آواز سرگوشی سے مشابہ تھی۔ "اس کا تو میری ساس سارہ کو بھی علم نہیں تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کے متعلق اس لمحے سے پہلے نہیں جانتا تھا۔" انہوں نے سر جھٹکا۔ "میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔"

وہاں سب کا یہی حال تھا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ مرد سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ عورتیں مشورہ طلب نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ میری بات کو آسانی سے رد کیا جا سکتا تھا۔ میں ایک لڑکا تھا' جس نے ایک کہانی گھڑ لی تھی۔ گرٹروڈ تو تھی ہی بچی مگر وہ نوٹ ایک حقیقت تھا۔ ڈھائی سو پاؤنڈ وزنی میلوڈین ایک اور حقیقت تھا۔ وہاں موجود سب لوگ جانتے تھے کہ ایک لڑکا اور چار لڑکیاں مل کر وہ بھاری میلوڈین چرچ کے اندر کسی بھی طرح نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اب میرے لئے کھڑا رہنا ناممکن تھا۔ میں بیٹھ گیا۔

فادر نے اپنی عینک اتار کر اس کے شیشے رومال سے صاف کئے اور پھر عینک دوبارہ لگا لی۔ "دوستو' مجھے نہیں معلوم کہ اس سے ہمارے دلوں کو کتنا اور کیا فائدہ پہنچے گا۔

ہم سب نے بہت کچھ دیکھا اور سنا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم نے ایک معجزہ دیکھا ہو۔ بچوں کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ سکتی ہیں' جو ہم بڑوں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور ہم میں کون ایسا ہے' جو کہہ سکتا ہو کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے کہ نہیں اس موسم میں ہم نے تباہ شدہ چرچ کے ملبے پر یہ نیا چرچ کھڑا کر لیا۔ یہ معجزہ نہیں کہ ہمیں ایک مسلمان فیملی کی طرف سے آرگن مل گیا اور یہ تم تک بچوں نے پہنچایا ہے۔ یاد رکھیں' گزشتہ رات کرسمس کی رات تھی' جو ہے ہی کرشموں کی رات۔ سو دوستو' آؤ دعا کریں۔"

سب نے سر جھکا لئے۔ "مالک' میلوڈین کے معجزے پر ہم تیرے شکرگزار ہیں۔ ہم ان بچوں کے حوصلے کے شکرگزار ہیں' جو یہاں سونا چاندی نہیں' موسیقی لے کر آئے۔ خداوند' اس عورت ایلیا امروک پر اپنی رحمت فرما اور اس شخص منصر امروک پر اپنی رحمت فرما' جو اپنے گاؤں والوں کے لئے رحم اور دریا دلی کا نشان ہے۔ اب ہم خداوند' تجھ سے ایک اور معجزے کی دعا کرتے ہیں اور منصر امروک سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کی روح کے سکون کے لئے وہ گیت سنائے جو اس نے اپنے باپ کے خیر مقدم کے لئے تیار کیا تھا۔ اس باپ کے لئے جو تیری مرضی کے تحت لوٹ کر نہ آ سکا۔ آمین۔"

فادر نے نظریں اٹھا کر ہم تینوں کو دیکھا اور پکارا۔ "منصر۔"

میری نانی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ان کی گرفت بہت سخت تھی۔

میرے نانا آہستہ سے اٹھے اور بینچوں کے درمیان سے گزرتے قربان گاہ کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ میلوڈین کے سامنے یوں جا کر کھڑے ہوئے' جیسے وہ کوئی عدالت ہو پھر آہستگی سے وہ بینچ پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے پاؤں پیڈل پر رکھے اور دباؤ ڈالا۔ آرگن کے پردے ہوا سے بھر گئے۔ نانا کا ہاتھ اٹھا۔ انگلیاں چابیوں پر گریں۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

ہم سب سانسیں روکے بیٹھے تھے۔ وقت ایسا لگتا تھا کہ تیزی سے معکوس سفر کر رہا ہے۔ سب منتظر تھے اور میلوڈین کی سامنے بینچ پر بیٹھا ہوا شخص دیکھتے ہی دیکھتے بدل رہا تھا۔ اب وہ جوانوں کی طرح تن کر بیٹھا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ جیسے لڑکا بن گیا....

افسردہ، کھویا کھویا، باپ سے محروم لڑکا۔ کیا اس کی یادداشت اسے دھوکا دے جائے گی؟ کیا اس کی انگلیاں اس کے دماغ کے حکم کی تعمیل نہیں کر پائیں گی؟ کیا زندگی بھر کی محرومی اور اذیت نغمے میں ڈھل سکے گی۔

نانا کی انگلیوں نے کی بورڈ کو چھوا۔ صبح کی نرم دھوپ میں ان کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ چرچ خوبصورت اور پراثر موسیقی سے بھر گیا تھا اور وہ گیت بڑے لوگوں کے لئے تھا جو ایک ایک کر کے کھڑے ہونے لگے۔ وہ سب نانا جیسے ہی تھے، ان کے پاس وہ زخم تھے، جنہیں وقت کبھی نہیں بھر سکا تھا۔ وہ سب قربانی کے مفہوم سے واقف تھے۔ قربانیاں دے چکے تھے۔ وہ سب نانا کی آواز میں آواز ملانے لگے۔ ان کی آوازوں میں دلیری تھی مگر وہ لرز رہی تھیں۔

موت سے لڑ کر، موت سے جیت کر آنے والے
میں جیون، میں تیرے گلے کا ہار پاپا۔ پاپا پاپا میرے پاپا
نظریں جمائے راستہ تکتا رہتا ہوں
اب آ جاؤ، آ بھی جاؤ، ہر پل کہتا ہوں
تم ماما کا سنگار پاپا، پاپا پاپا میرے پاپا
کیا میں تم کو یاد کبھی نہیں آتا ہوں
بات یہ سوچ کے اکثر میں ڈر جاتا ہوں
مجھ کو ہے تم سے پیار پاپا۔ پاپا پاپا میرے پاپا
ملی نہیں آغوش وہ پیاری اس دن تک
دیکھی نہیں صورت ہی تمہاری اس دن تک
عمر گئی ہے بے کار پاپا۔ پاپا پاپا میرے پاپا

گیت ختم ہوا تو صرف نانا اور نانی ہی کی نہیں، تمام حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

○

میں اگلے موسم گرما تک فارم پر رہا پھر ڈیڈی کو ملازمت مل گئی اور انہوں نے مجھے بلوا لیا مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے شہر کی زندگی اچھی نہیں لگتی۔ میں یہیں

رہوں گا اور یہیں مروں گا۔

اب اس بات کو اکتالیس برس ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد میں نے کبھی بڑے نانا کی جھلک بھی نہیں دیکھی بلکہ برسوں تو مجھے بھی یہی شک رہا کہ وہ میرے اپنے ذہن کی اختراع تھی مگر پھر مجھے فادر کے الفاظ یاد آئے۔ انہوں نے کہا تھا، بچوں کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ لیتی ہیں، جو بڑوں کو نظر نہیں آتا۔ اب بھی کبھی سرد راتوں میں مجھے ٹریکٹر کے انجن کی آواز سنائی دیتی ہے جیسے وہ میلوڈین کو اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ اب بھی سرما کی کسی صبح مجھے میلوڈین کی آواز سنائی دیتی ہے..... پاپا پاپا میرے پاپا۔

میں اس کرسمس کے تحفوں کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ اگر میرے نانا نے نانی کو اس میلوڈین کا تحفہ دیا تو ایک اعتبار سے ان دونوں نے مل کر وہ خدا کو تحفے میں دے دیا۔ مجھے جو روحانی تحفے ملے، وہ بہت بیش بہا تھے۔ صحیح معنوں میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ وطن کی محبت کیا ہوتی ہے۔ دوسری طرف مجھے اس یقین کا تحفہ ملا کہ بلاشبہ اسلام سب سے اچھا اور اللہ کا سب سے پسندیدہ دین ہے۔ وہ رواداری اور محبت سکھاتا ہے۔ نفرت، تعصب اور تنگ نظری سے دور کرتا ہے۔ اگر ہم اپنے مذہب سے ناواقفیت کے باوجود اتنے اچھے ہو سکتے ہیں کہ دوسرے ہمیں اس طرح سراہیں تو مذہب کو سمجھنے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کے بعد ہم عظمت کی کن بلندیوں کو چھو سکتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مطالعہ کروں گا، اور دین کی آگہی حاصل کروں گا۔

اور میں نے کیا بھی یہی۔ آج میں اسلام سے پہلے کی طرح بے خبر نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب بھی میں نے سمندر سے بس دو چار بالٹی پانی حاصل کیا ہے۔ اللہ نے زندگی دی تو یہ کام جاری رکھوں گا۔ جو کچھ سمجھ رہا ہوں، بساط بھر دوسروں تک بھی پہنچا رہا ہوں۔ آگہی بڑھتی رہنی چاہئے۔ اس خطے کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یہی کمی رہی ہے۔

میرے نانا کا اسی سال اپریل میں انتقال ہوا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ میں نے پیچھے ان کے پھیپھڑوں کی بیماری کے بارے میں لکھا ہے۔ اگلی فصل کی بوائی کرتے ہوئے انہیں ٹھنڈ لگ گئی، جو چپکے چپکے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ انہیں نمونیا ہو گیا۔ ہوویل سے کئی بار ڈاکٹر کو بلایا گیا کیونکہ نانا کو اسپتال لے جایا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ نقل و حرکت

کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا تھا' کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان کی حالت بہت تیزی سے گرتی چلی گئی۔

یہ سب کچھ صبح اور دوپہر کے درمیان ہوا۔ اس صبح مسٹر اور مسز بینشا' مسٹر اور مسز اسٹیکیل اور مسز کاڈویل نانا کی عیادت کے لئے آئے۔ سبھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لائے تھے۔ حالانکہ نانا ہر چیز سے بے نیاز تھے۔ وہ لوگ چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد کچن کے برابر والے بیڈ روم سے نانی نکلیں۔ انہوں نے بتایا کہ نانا کو ہوش آ گیا ہے اور وہ مجھے بلا رہے ہیں۔

میں گیا اور نانا کی پٹی سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میں خوفزدہ تھا۔ اس وقت تک موت سے میرا تعارف نہیں ہوا تھا۔ یہ تو اب پتا چلا کہ موت سے آدمی اتنا خوفزدہ نہیں ہوتا' جتنا آدھی رات کو مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والے سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ موت جو مہربان ہے' نجات دلانے والی ہے۔ اللہ کی رحمت ہے اور اس پر فتح نہیں پائی جا سکتی کیونکہ وہ اللہ کا حکم ہے جو ٹلتا نہیں۔

مگر اس وقت میں یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں صرف تیرہ سال کا تھا.... اور خوف زدہ تھا۔ میں اپنے نانا کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ نانا بہت سفید' بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ مونچھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ان کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ میں آگے بڑھا اور میں نے ان کے منہ سے اپنا کان ملا دیا۔

"جاؤ بیٹے۔ چہل قدمی کر آؤ۔" نانا سرگوشی میں کہہ رہے تھے۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"جاؤ.... بھیڑوں کے گلے کو دیکھو۔ اس میمنے کو ڈھونڈو۔"

"نہیں نانا' نہیں۔"

"میں کہتا ہوں' جاؤ۔"

"دل نہیں چاہ رہا ہے نانا۔"

"یہ میرا حکم ہے بیٹے۔"

لہجے کے اس تحکم نے مجھے چونکا دیا۔ مجھے کرسمس کی رات چرچ کے باہر کسی کا تحکمانہ لہجہ یاد آ گیا۔ جب کسی نے میلوڈین کی ذمے داری سنبھال لی تھی۔ میں نے سر

اٹھا کر نانا کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان کی آنکھیں بھی بڑے نانا کی آنکھوں کی یاد دلا رہی تھیں۔ وہ ایک فوجی کی صحیح آنکھیں تھیں۔

میں لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور ڈگمگاتا ہوا چلا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان سے کچھ دیکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ باہر نکل کر میں چراگاہ سے گزرتا ہوا روڈ پر آیا۔ میں زندگی میں کبھی اتنا اداس نہیں ہوا تھا اور میں بہت اکیلا بھی تھا پھر میں واپس آیا۔ بیری کی جھاڑیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے چراگاہ میں چلا گیا' جہاں بھیڑوں کا گلہ موجود تھا۔ میں ان کی طرف بڑھ گیا۔ اب میں سمجھ گیا تھا کہ نانا نے مجھے کیوں بھیجا ہے۔ تاکہ ان کا وقت آئے تو میں ان سے دور رہوں اور کوئی کام کرتا رہوں۔ میں جانتا تھا کہ جب میں گھر واپس جاؤں گا تو نانی میری منتظر ہوں گی۔ وہ کہیں گی۔ "تمہارے نانا چلے گئے حارث۔"

وہ ایک گرم صبح تھی۔ دھوپ میں بڑی تمازت تھی۔ گھاس لمبی' بے حد ہری اور زندگی سے بھرپور تھی۔ نیلے آسمان پر چھوٹی چھوٹی سفید بدلیاں تھرک رہی تھیں' جیسے ٹریکٹر کا چھوڑا ہوا دھواں۔ ہوا پرندوں کے چہچہوں کی مٹھاس سے اور کھاد کے ذائقے اور معصومیت سے معمور تھی۔

میں چرتی ہوئی بھیڑوں کے نزدیک چلا گیا۔ بھیڑوں کے بال اتار لئے گئے تھے اور وہ بالکل سفید نظر آ رہی تھیں۔ کچھ کے پیٹ موٹے ہو رہے تھے۔ کچھ دنوں میں وہ بچے دینے والی تھیں۔ نر بھیڑ کالون وقتاً فوقتاً کسی بھیڑ کی طرف للچائی ہوئی نگاہ اچھالتا اور پھر بے نیازی سے گھاس پر منہ مارتا۔ میں نے بہت کوشش کی مگر میں اس کرسمس والے میمنے کو تلاش نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانوروں کو صاف طور پر دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

میں نے بھیڑوں کو مخاطب کیا۔ میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔ مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے "رک جاؤ۔" میں چلایا۔ "چرنا چھوڑ دو' تمہیں نہیں معلوم' کیا ہو رہا ہے۔ تمہیں اپنے پیٹ کی پڑی ہے۔"

لیکن بھیڑوں پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنے شغل میں مصروف رہیں۔

"یعنی بھیڑو۔" میں پھر چلایا۔ "تمہیں نہیں پتہ کہ وہ جو تمہیں کھلاتا پلاتا تھا' جو

تمہیں نہلاتا تھا' جو بچے پیدا کرنے میں تمہاری مدد کرتا تھا' وہ تمہارا ہمدرد' وہ تمہارا نگہبان..... تمہیں کچھ پرواہ نہیں اس کی۔ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ نہیں پتا نہ تمہیں۔ بدبختو' وہ مر رہا ہے۔" میں بری طرح سسکنے لگا۔ "اس وقت منصر امروک مر رہا ہے۔ موت کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ وہ جانے والا ہے..... اور پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ سنا تم نے؟ تمہیں کوئی پرواہ ہے یا نہیں؟"

مجھے سچ مچ رنج ہوا۔ بھیڑوں کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ میں نے ان سے منہ پھیرا اور اندھا دھند بھاگ کھڑا ہوا۔ میں پوری چراگاہ میں دوڑ گیا۔ میں نے اچھل کر باڑھ پار کی اور سڑک پر چلا گیا پھر میں اناج گودام اور باڑ گودام کے درمیان چکراتا پھرا۔ تھک گیا تو میری رفتار کم ہو گئی۔ میں نے آستین سے آنسو پونچھے کیونکہ میری نانی مکان کے باہر آ کھڑی ہوئی تھیں اور میرا انتظار کر رہی تھیں۔ میں ان کی طرف بڑھنے لگا۔

میں قریب پہنچا تو نانی نے مجھے لپٹا لیا۔ میں بھی ان سے لپٹ گیا۔ "حارث..... میرے بچے' تمہارے نانا چلے گئے۔" انہوں نے رقت بھری آواز میں کہا۔ "بالاخر باپ بیٹے مل گئے..... ہمیشہ کے لئے!"

○

نانی کو وہ گاڑی کبھی نہ مل سکی' جس کے لئے وہ رقم جمع کر رہی تھیں۔ نانا کے تین سال بعد وہ بھی چلی گئیں۔ اس سے ایک سال پہلے ہی میں رہنے کے لئے ان کے پاس جا چکا تھا۔ میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا کہ اب میرا دل شہر میں کبھی نہیں لگے گا۔

میں نے نانی کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا۔ وہ مجھ سے بہت خوش تھیں۔ انہوں نے سب کچھ میرے نام کر دیا تھا۔ نانی کی موت کے بعد میرے اصرار پر اور میری محبت سے مجبور ہو کر ممی اور ڈیڈی بھی وہاں آ گئے۔ ہم سب وہاں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ وقت آنے پر ڈیڈی اور مما بھی چلے گئے۔ میری شادی ان کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی۔

یوں میری کرسمس کہانی ختم ہوتی ہے۔ میں خوش اور مطمئن ہوں۔ میں نے مسلمان کا مطلب سمجھ لیا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ صحیح معنوں میں مسلم بنوں۔

مسلم یعنی اللہ کا فرمانبردار اور مطیع۔ میں نے ہر لمحے اپنے رب کی اطاعت کی کوشش کی ہے۔ کوتاہی بھی ضرور ہوئی ہو گی مگر وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

سب کچھ ہے مگر مجھے بڑے نانا کی وہ دعا یاد آتی ہے جو انہوں نے مجھے دی تھی۔ وہ پوری نہیں ہوئی اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے پوری ہو گی۔ میں سیدھا سادہ کسان بن گیا۔ میرے پاس تلوار نہیں' قلم ہے۔ میں جہاد کیسے کروں گا؟ شہید کیسے ہوں گا؟ یہ سب سوچ کر ایک لمحے کو میں مایوس ہوتا ہوں مگر فوراً ہی وہ مایوسی مٹ جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بڑے نانا کی کرسمس کی رات والی دعا اسی لمحے مقبول ہو گئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہو گا مگر یہ ہو گا ضرور۔ میں جہاد بھی کروں گا اور شہادت بھی پاؤں گا..... انشاء اللہ۔

○

کتاب ختم ہو چکی تھی مگر بریگیڈیئر کارتیلوف مبہوت بیٹھا تھا اس نے کتاب کو بند نہیں کیا۔ آخری صفحہ اب بھی اس کے سامنے تھا۔

وہ عجیب کتاب تھی۔ کیا کہا جائے اسے؟ بریگیڈیئر سوچتا رہا۔ شاید یہ ایک معجزے کی..... نہیں' کئی معجزوں کی کہانی ہے۔ یا یہ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کو فروغ دینے کی کوشش ہے۔ یا یہ اسلام کی تبلیغ کی غرض سے لکھی گئی ہے؟ بریگیڈیئر فیصلہ نہ کر سکا۔ بس وہ اتنا کہہ سکتا تھا کہ اتنی اثر انگیز کتاب اس نے اس سے پہلے نہیں پڑھی مگر سوال یہ تھا کہ کیا یہ کتاب مقدمے کے فیصلے کو تبدیل کرا سکتی ہے؟ اور اس پر سوچنے کے لئے بریگیڈیئر کے پاس چھ دن کی فرصت تھی.....

○

وہ فیصلے کا دن تھا۔

"ملزم کیپٹن گورین' تمہیں اعتراف ہے کہ تم اپنے ساتھیوں پر فائرنگ کرتے وقت ہوش و حواس میں تھے؟" بریگیڈیئر نے پوچھا۔

"یس سر۔" کیپٹن گورین نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے باوجود تم خود کو مجرم نہیں سمجھتے؟" ایک کرنل نے پوچھا۔

"یس سر۔"

"تم نے اپنے ساتھیوں کو مجرم سمجھ کر خود سزا دی۔ جبکہ تمہیں اس کا حق نہیں تھا۔" دوسرا کرنل بولا۔

"ہاں۔ ہم ان کا کورٹ مارشل کر سکتے تھے۔"

کیپٹن گورین چند لمحے بریگیڈیئر کو عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ "اس طرح کے واقعات آئے دن ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ نسل خراب کرنے کے نام پر مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کی جاتی ہے۔ اب تک کسی ایک سپاہی کا بھی کورٹ مارشل نہیں ہوا۔ پوری دنیا چیخ اٹھی ہے مگر ہم نے دکھاوے کے لئے بھی کچھ نہیں کیا۔"

"تم مسلمان تو نہیں ہو؟"

"نو سر۔"

"اس کتاب کے حوالے سے اپنے بارے میں بتاؤ۔" کرنل نے فرمائش کی۔

"اس کتاب میں فادر گورین کا جو تذکرہ ہے' وہ میرے دادا تھے اور میرے والد ایلک گورین' حارث انکل کے ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے۔"

"اس لئے تم اتنے جذباتی ہو گئے۔"

"یہ بات نہیں سر۔ ظالم کا ہاتھ کسی کو تو پکڑنا پڑتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"فرض کر لیں۔ میرے ساتھیوں نے یہی سب کچھ عیسائیوں کے ساتھ کیا ہوتا اور میری جگہ آپ ہوتے تو آپ کیا کرتے۔"

"وہی جو تم نے کیا۔" بریگیڈیئر نے بے ساختہ کہا پھر کسی احساس کے تحت اس نے بات بنائی۔ "مگر پھر بھی یہ جذباتی فیصلہ ہوتا۔"

"میں نے اپنا پوائنٹ ثابت کر دیا جناب۔" گورین نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ "اسی لئے مجھے اپنی برات پر اصرار ہے۔ جناب عالی' مسلمان ہوں' عیسائی ہوں یا کوئی اور قوم ہو۔ انسان کے خون کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے..... سرخ مگر ہمارا رویہ ایسا ہے' جیسے مسلمانوں کے خون کا رنگ مختلف ہو گا مگر ایسا ہے نہیں جناب۔"

"ہم پندرہ منٹ کا وقفہ کر رہے ہیں۔" بریگیڈیئر نے اعلان کیا۔ "اس کے بعد فیصلہ سنایا جائے گا۔"

عدالت کے تینوں ارکان اپنے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک دوسرے کا فیصلہ سنا۔ بالآخر وہ عدالت میں چلے آئے۔

گورین پرامید نظروں سے ایک ایک چہرے کو تک رہا تھا۔

"ہم تمہیں متفقہ طور پر سزائے موت سناتے ہیں کیپٹن گورین۔ اب سے تھوڑی دیر بعد تمہیں فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔" بریگیڈیئر نے سرد لہجے میں کہا۔

"تھینک یو سر۔" گورین مسکرایا۔ "مجھے اس فیصلے کے بارے میں بالکل شبہ نہیں تھا جناب۔"

"کیسے؟"

"میں یا پوری دنیا لاکھ کہتی رہے کہ ہر انسان کے خون کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے مگر آپ جیسے تعصب کی رنگین شیشوں والی عینک آنکھوں پر چڑھا کر دیکھنے والوں کو لہو کے دو رنگ نظر آتے ہیں۔ یہ بات نہ ہوتی تو یہاں وہ سب کچھ نہ ہوتا' جو ہو رہا ہے۔"

"تقریر مت کرو۔" کرنل نے اسے ڈانٹا۔

"ہاں۔ تمہاری کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دو۔ پوری کر دی جائے گی۔" بریگیڈیئر نے یقین دلایا۔

"آپ یقین سے کہہ رہے ہیں۔"

"شیور۔"

"تو کسی مسلمان عالم دین کو بلا لیں۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔" گورین نے کہا۔

تینوں منصفوں کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے۔ بریگیڈیئر نے مسلح پہرے داروں کو اشارہ کیا۔ "اسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے لے جاؤ..... فوراً۔"

"میں نے کہا تھا نا' آپ میری آخری خواہش پوری نہیں کر سکتے۔" گورین نے

مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ”مگر یہ خواہش پوری کرنے کے لئے مجھے آپ کی اجازت یا مدد کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ گواہ رہیں....“ اس کی آواز بلند ہو گئی۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔“

بریگیڈیئر کے اشارے پر پہرے دار سزائے موت کے مجرم کو دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔ تینوں فیصلہ سنانے والوں کی چہروں پر کھسیاہٹ تھی۔ وہ ایک دوسرے سے بھی نظر نہیں ملا رہے تھے۔ ان کے سر ایک طرف جھکے ہوئے تھے۔ جیسے وہ کچھ سننے کے منتظر ہوں۔

پھر باہر درجنوں گنیں گرجیں.... ایک آواز میں..... ایک بار..... دوسری بار..... اور تیسری بار.... ان تینوں نے سکون کی سانس لی مگر فوراً ہی مضطرب ہو گئے۔ انہیں واضح طور پر کلمہ شہادت کی پکار سنائی دی۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واحدہ لاشریک لہ واشھد ان....

”کیا تم بھی وہی سن رہے ہو‘ جو میں سن رہا ہوں؟“ بریگیڈیئر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

انہوں نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لئے۔ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے سروں کو اوپر نیچے ہلا دیا۔

ختم شد

Scanned by iqbalmt